الرسالہ

ISSN 0970-180X

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

تدبیری واپسی

منصوبہ بند اقدام کا پہلا مرحلہ ہے

فروری ۱۹۸۸

شمارہ ۱۳۵

جلد دوم تیار

تذکیر القرآن

جلد اوّل : سورۃ فاتحہ ۔ سورۃ بنی اسرائیل

جلد دوم : سورۃ الکہف ۔ سورۃ الناس

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی تفصیلات اور غیر متعلق معلومات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبین قرآن کے لیے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

ہدیہ جلد اول ۱۰۰ روپیہ

جلد دوم ۱۰۰ روپیہ

مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو، انگریزی میں شائع ہونے والا

الرسالہ

اسلامی مرکز کا ترجمان

شمارہ ۱۳۵ فروری ۱۹۸۸

فہرست

	صفحہ		صفحہ
قیمتی چیز	۲	رکاوٹیں زینہ ہیں	۱۴
آگ کا ٹکڑا	۳	منفی بنیاد	۱۵
حدیث شریف	۴	تاریخ یا عقیدہ	۱۶
مسافر کی زندگی	۵	صحیح طریقہ	۱۷
منافقت	۶	فرانس میں اسلام	۱۹
دو نمونے	۷	حکمت تدریج	۲۰
ایک آیت	۹	ایک سفر	۴۲
آدمی کی جانچ	۱۰	ایک مثال	۴۳
عُجب	۱۲	خبرنامہ اسلامی مرکز	۴۴
نفع بخشی	۱۳	ایجنسی الرسالہ	۴۸

ماہنامہ الرسالہ، سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳، فون: 697333. 611128

قیمتی چیز

اخرج البخاری فی التاریخ الصغیر عن زید بن اسلم عن ابیہ ان عُمر بن الخطابؓ قال لاصحابہ۔ تمنّوا۔ فقال احدھم اتمنّیٰ ان یکون مِلءَ ھذا البیت دراھمَ فانفقھا فی سبیل اللہ۔ فقال تمنّوا۔ فقال اٰخر اتمنی ان یکونَ ملءَ ھذا البیت ذھبًا فانفقھا فی سبیل اللہ۔ قال تمنّوا۔ قال اٰخر اتمنّیٰ ان یکون ملءَ ھذا البیت جوھرًا فانفقہ فی سبیل اللہ۔ فقال عمرؓ۔ تمنّوا۔ فقالوا ما تمنّینا بعد ھذا۔ قال عمرؓ: لٰکنی اَتمنّیٰ ان یکون ملءَ ھذا البیت رجالًا مثل ابی عبیدۃ بن الجراح ومعاذ بن جبل وحذیفۃ بن الیمان فاَستعملھم فی طاعۃ اللہ (۲۳۳)

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ تم لوگ اپنی تمنا بیان کرو۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ یہ گھر درہم سے بھرا ہوا ہوتا تو میں ان کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اور تمنا کرو۔ دوسرے شخص نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ اس گھر کے برابر سونا ہوتا تو میں اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اور تمنا کرو۔ ایک اور شخص نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ اس گھر کے برابر جواہرات ہوتے تو میں ان کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اور تمنا کرو۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے بعد ہماری کوئی تمنا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: مگر میں یہ تمنا کرتا ہوں کہ یہ گھر ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان جیسے آدمیوں سے بھرا ہوتا اور ان کو میں اللہ کی اطاعت میں استعمال کرتا۔

کام کا ایک آدمی اس دنیا کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔ وہ آدمی جس کی ایک رائے ہو مگر وہ اپنی رائے پر اصرار نہ کرے۔ جو اپنے خلاف تنقید کو بھی اسی طرح سنے جس طرح وہ اپنی تعریف کو سنتا ہے۔ جو اصول سے انحراف کا تحمل نہ کر سکے، جو اختلاف کے باوجود متحد ہونا جانتا ہو۔

آگ کا ٹکڑا

عن ام سلمة رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: انما انا بشر وانکم تختصمون الی، ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ بنحو ما اسمع، فمن قضیت لہ بحق اخیہ فانما اقطع لہ قطعة من النار (متفق علیہ)

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے مقدمات میرے پاس لاتے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دوسرے شخص کے مقابلہ میں زیادہ اچھے انداز میں اپنا دعوی پیش کرے اور میں اپنے سننے کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کردوں۔ تو میں نے جس شخص کو اس کے بھائی کا حق دیا، اس کو میں نے آگ کا ایک ٹکڑا دیا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ ایک جائداد ہر حال میں اسی کی ہے جو اس کا واقعی حق دار ہے حتی کہ اگر خود پیغمبر کسی وجہ سے غیر حق دار کے لیے اس کا فیصلہ کردیں تب بھی وہ غیر حق دار کی نہیں ہوسکتی۔ پیغمبر کے فیصلہ کے باوجود وہ آخرت میں اس کے لیے آگ کا ٹکڑا ثابت ہوگی۔

موجودہ زمانہ میں ناجائز قبضہ بہت عام ہے۔ موجودہ بگڑے ہوئے نظام نے لوگوں کو موقع دیا ہے کہ وہ رشوت اور دھاندلی کے زور پر اپنی ناجائز خواہشات پوری کرسکیں۔ چنانچہ آج ہر بستی اور ہر شہر میں ایسے لوگ ملیں گے جنھوں نے غلط کارروائی کرکے کسی دوسرے شخص کی زمین یا عمارت پر قبضہ کرلیا ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے یہ حدیث بہت زیادہ ڈرانے والی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب رسول خدا کے فیصلہ کے باوجود ایک جائداد کسی غیر حقدار کی نہیں ہوتی تو وہ ان لوگوں کی کیسے ہوجائے گی جو فرضی رجسٹری اور جھوٹے سرکاری کاغذات کی بنیاد پر دوسرے کی جائداد پر قبضہ کرکے بیٹھ گئے ہوں۔

دنیا میں آدمی غیر کی عمارت پر قابض ہوکر خوش ہوتا ہے۔ آخرت میں اس کا کیا حال ہوگا جب اس پوری عمارت کو آگ کی عمارت بنا کر اس کے اندر اسے بند کردیا جائے گا۔

حديث شريف

(عن ابن عمر رضي الله عنهما قال أخذ رسول الله ﷺ بمنكبي فقال: كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل، وكان ابن عمر يقول: إذا أمسيت فلا تنتظر الصباح وإذا أصبحت فلا تنتظر المساءَ وخذ من صحتك لمرضك ومن حياتك لموتك)

(رواه البخاري)

مسافر کی زندگی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم اجنبی ہو یا تم یہاں ایک مسافر ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ جب تم شام کرو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو۔ اور جب تم صبح کرو تو تم شام کا انتظار نہ کرو۔ اور تم اپنی صحت سے اپنے مرض کے لیے لو اور تم اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے حاصل کرو۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت اور صحابی کی اس تشریح میں زندگی کا راز بتا دیا گیا ہے۔ انسان جب اپنے گھر پر اور اپنے وطن میں ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے مستقل مقام پر ہوں۔ یہ احساس اس کی پوری زندگی کو ایک خاص ڈھنگ پر ڈھال دیتا ہے، اس کے برعکس جو آدمی کسی اجنبی علاقہ میں سفر کر رہا ہو وہ سمجھتا ہے کہ میں ایک عارضی مقام پر ہوں۔ یہ احساس اس کی پوری زندگی کو بالکل دوسرا رُخ دیدیتا ہے ——— مومن کی زندگی ایک اعتبار سے اسی دوسرے انسان کی مانند ہوتی ہے۔

مومن موجودہ دنیا میں اپنے آپ کو وقتی مسافر سمجھتا ہے۔ یہ احساس اس کے اندر اس کی توجہ اور اس کی دل چسپیوں کو دنیا میں لگنے نہیں دیتا۔ وہ بظاہر دنیا میں رہتا ہے، مگر اپنی یاد اور سوچ کے اعتبار سے وہ آخرت کا باسی بنا رہتا ہے۔ یہ ذہن اس کے اندر بے پناہ صبر پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ہر تلخی کو برداشت کر لیتا ہے، کیوں کہ ہر تلخی اس کو وقتی دکھائی دیتی ہے۔ بڑے سے بڑے نقصان کو وہ سہہ لیتا ہے، کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا فائدہ بھی عارضی ہے اور یہاں کا نقصان بھی عارضی۔ شدید انتقامی جذبات بھی اس کے اندرونی سرد خانہ میں پہونچ کر بجھ جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ انتقام لینے والا بھی بالآخر موت کی گرفت میں آنے والا ہے اور انتقام نہ لینے والا بھی۔

یہ چیز اس کو حد درجہ وقت کا احساس کرنے والا (Time-conscious) بنا دیتی ہے۔ اس کو یقین نہیں ہوتا کہ وہ اگلی صبح تک جئے گا اس لیے وہ اپنی موجودہ شام کو آخری حد تک استعمال کر لینا چاہتا ہے۔ وہ اپنے ایک لمحہ کو بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔

منافقت

ایک لمبی حدیث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ موت کے بعد انسان کے اوپر کیا احوال گزریں گے۔ اس سلسلہ میں حدیث کا ایک جزء یہ ہے :

وان كان كافراً او منافقاً يقول له ماتقول فی هذا الرجل. فيقول لا ادری. سمعت الناس يقولون شيئاً فيقول لا دريت ولا تليت ولا اهتديت. ثم يفتح له باباً الى الجنة فيقول له هذا منزلك لو امنت بربك. فاما اذ كفرت به فان الله عز وجل ابدلك به هذا فيفتح له باباً الى النار۔

(تفسیر ابن کثیر، الجزء الثانی، صفحہ ۵۳۳)

اگر مرنے والا منکر یا منافق ہے تو فرشتہ اس سے پوچھے گا کہ تم اس آدمی (پیغمبر) کے بارہ میں کیا کہتے ہو۔ وہ جواب دے گا کہ میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو سنا کہ وہ کچھ کہہ رہے تھے۔ پھر وہ کہے گا کہ میں نے اس کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ نہ میں نے اس کی پیروی کی اور نہ میں نے اس سے رہنمائی حاصل کی۔ پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھولا جائے گا۔ پھر فرشتہ اس سے کہے گا کہ یہ تمہاری جگہ تھی اگر تم اپنے رب پر ایمان لاتے۔ مگر جب تم نے اس کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے تمہیں یہ دیدیا۔ پھر اس کے لیے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مرنے کے بعد جس انجام کا ذکر ہے، اس میں کافر کے ساتھ منافق کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ منافق کا لفظ پہلی بار مدینہ میں استعمال کیا گیا۔ وہاں کون لوگ تھے جن کو منافق کہا گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو کلمہ کا اقرار کرتے تھے۔ نماز اور دوسری عبادات پر بظاہر عمل کرتے تھے۔ البتہ ان کے دل میں ایمان پوری طرح نہیں اترا تھا۔ وہ ان مواقع پر پیچھے رہ جاتے تھے جہاں قربانی کی قیمت پر اپنے ایمان کا ثبوت دینا ہو۔ وہ مصلحت کی سطح پر مسلمان بنے تھے نہ کہ حقیقۃً قلبی شہادت کی سطح پر۔

دو نمونے

اس دنیا میں انسان کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ کسی صورت حال میں کس قسم کا جواب پیش کرتا ہے۔ اس اعتبار سے انسانوں کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔ ایک صحیح جواب پیش کرنے والے، اور دوسرے غلط جواب پیش کرنے والے۔ صحیح جواب کیا ہے اور غلط جواب کیا۔ اس سلسلہ میں یہاں دور اول کی دو مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔

قرآن میں مختلف طریقہ سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے: من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً (کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے) اس سلسلہ میں ایک روایت حسب ذیل الفاظ میں آئی ہے:

قال سعید بن جبیر عن ابن عباس۔ لما نزل قولہ تعالیٰ (من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسناً فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ) قالت الیہود یا محمد، افتقر ربک فسأل عبادہ القرض۔

(تفسیر ابن کثیر، الجزء الاول، صفحہ ۳۴۳)

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ جب قرآن میں یہ آیت اتری کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کو کئی گنا لوٹائے، تو مدینہ کے یہود نے کہا کہ اے محمد، تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے اس لیے اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے۔

یہ ایک قسم کے کردار کی مثال ہے۔ یعنی وہ مثال جب کہ آدمی بات کو صحیح رخ سے نہ لے۔ وہ اس میں شوشہ نکال کر اس کا مذاق اڑانے لگے۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہ کرے اس کے برعکس وہ داعی کی بات میں عیب نکال کر یہ ظاہر کرے کہ اس کی بات اس قابل ہی نہیں کہ اس پر عمل کیا جائے۔

اب دوسرے قسم کے کردار کی مثال لیجئے۔ مذکورہ قرآنی آیت میں ایک شخص کو صرف استہزاء کا مواد ملا تھا۔ مگر یہی آیت جب دوسرے آدمی کے سامنے آئی تو اس پر بالکل مختلف ردعمل ہوا۔ روایات میں آتا ہے۔

عن عبد اللہ ابن مسعود قال لما نزلت

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جب قرآن کی

هٰذِهِ الآيَة (مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ) قال ابوالدحداح الانصاری یارسول اللّٰہ وانّ اللّٰہ لیرید منا القرض۔ قال نعم یا ابا الدحداح۔ قال ارنی یدک یارسول اللّٰہ۔ قال فناولہ یدہ۔ قال فانّی قد اقرضت ربی حائطی۔ ولہ حائط فیہ ست مائة نخلة و ام الدحداح فیہ وعیالھا۔ قال فجاء ابوالدحداح فناداھا یا ام الدحداح۔ قالت لبیک۔ قال اخرجی فقد اقرضتہ ربی عزوجل۔ فقالت لہ ربح بیعک یا ابا الدحداح ونقلت منہ متاعھا و صبیانھا۔

(تفسیر ابن کثیر، الجزء الرابع، صفحہ ۳۰۷)

یہ آیت اتری: کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو وہ اس کو کئی گنا بڑھا دے۔ اس آیت کو سن کر حضرت ابوالدحداح نے کہا کہ اے خدا کے رسولؐ، کیا اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اے ابوالدحداح۔ انھوں نے کہا کہ اے خدا کے رسولؐ، مجھے اپنا ہاتھ دکھائیے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ انھوں نے کہا کہ پھر میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض میں دے دیا۔ اور ان کا ایک باغ تھا جس میں چھ سو کھجور کے درخت تھے۔ اس وقت ان کی بیوی ام الدحداح اپنے بچوں کے ساتھ اس میں تھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ابوالدحداح آئے اور آواز دی کہ اے ام الدحداح۔ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ ابوالدحداح نے کہا کہ اس باغ سے نکلو۔ کیوں کہ وہ میں نے اپنے رب کو قرض میں دے دیا۔ ام الدحداح نے کہا کہ اے ابوالدحداح، آپ کا سودا کامیاب رہا۔ اور اپنا سامان اور بچے لے کر وہاں سے چلی آئیں۔

قرآن کی جو آیت اوپر نقل کی گئی ہے، وہ انھیں الفاظ کے ساتھ یہود کے سامنے آئی۔ اور ٹھیک انھیں الفاظ کے ساتھ ابوالدرداالانصاری کے سامنے آئی۔ مگر دونوں کا رد عمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کلام کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس کا صحیح جواب دینے کے لیے سنجیدگی ضروری ہے۔ اگر آدمی سنجیدہ نہ ہو تو وہ نہ خدا کے کلام کے ساتھ انصاف کر سکتا ہے اور نہ انسان کے کلام کے ساتھ۔

ایک آیت

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا

النساء ۳۵

اور اگر تم کو دونوں کے درمیان بگاڑ کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے اہل میں سے اور ایک منصف عورت کے اہل میں سے کھڑا کرو۔ اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔

اس آیت کی تشریح میں مولانا محمود حسن صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اے مسلمانو، اگر تم کو اندیشہ ہو کہ خاوند اور عورت میں مخالفت اور ضد ہے۔ وہ اپنے باہمی نزاع کو خود نہ سلجھا سکیں گے تو تم کو چاہیے کہ ایک منصف مرد کے اقارب میں سے اور ایک منصف عورت کے اقارب میں سے مقرر کر کے بغرض فیصلہ زوجین کے پاس بھیجو۔ یہ دونوں منصف احوال کی تحقیق کریں گے۔ اور جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر باہم موافقت کرا دیں گے۔ اگر دونوں منصف اصلاح بین الزوجین کا قصد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے حسن نیت اور حسن سعی سے زوجین میں موافقت کرا دے گا۔"

جب بھی دو مسلمانوں میں نزاع کی کوئی صورت پیدا ہو تو وہ قرآن کے اس حکم کے تحت آجائے گا۔ اور عام مسلمانوں پر لازم ہو جائے گا کہ اس طریقہ کو اختیار کر کے مسلمانوں کے باہمی اختلاف کو ختم کریں۔ تاہم اس قرآنی حکم کی برکت اسی وقت ظاہر ہو سکتی ہے جب کہ فریقین اپنے ذاتی اصرار کو چھوڑ کر خدائی فیصلہ کے آگے جھکنے پر راضی ہوں۔ حضرت علیؓ کے سامنے ایک مرد اور ایک عورت کا جھگڑا لایا گیا۔ آپ نے دونوں طرف سے ایک ایک حَکم مقرر فرمایا۔ عورت نے کہا کہ میں کتاب اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوں، خواہ وہ میرے موافق ہو یا میرے خلاف۔ مرد نے کہا کہ اگر تفریق کا فیصلہ ہو تو وہ مجھے قبول نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا۔ خدا کی قسم تجھ کو اللہ کی کتاب کے فیصلہ پر راضی ہونا پڑے گا، خواہ وہ تمہارے موافق ہو یا تمہارے خلاف۔

(تفسیر ابن کثیر، الجزء الاول، صفحہ ۴۹۳)

آدمی کی جانچ

موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں ظاہری چیزوں کو سامنے رکھ کر اصل حقیقتوں کو پردہ کے پیچھے چھپا دیا گیا ہے۔ اب آدمی کی جانچ یہ ہے کہ وہ ظاہر سے گزر کر باطن تک پہونچ جائے۔ وہ شہود سے بلند ہو کر غیب کو دیکھ لے۔ وہ چھپی ہوئی حقیقتوں کو اس طرح جان لے جیسے کہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھلی ہوئی حالت میں موجود ہیں۔ ہمارے سامنے ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور آدمی کا امتحان اس میں ہے کہ کون پردہ کو پھاڑ کر پردہ کے دوسری طرف دیکھ لیتا ہے اور کون پردہ کے اُس پار دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

آدمی کی کامیابی یہ ہے کہ وہ ظاہر میں اُلجھے بغیر باطن تک پہونچ جائے ——— ایک چیز جو بظاہر خرید کر مل رہی ہے اس کو بطور عطیہ ملنے والی چیز سمجھنا، ایک چیز جو بازار سے مل رہی ہے اس کو کائناتی خزانہ سے ملنے والی چیز سمجھنا، ایک چیز جو بظاہر انسان سے مل رہی ہے اُس کو خدا سے ملنے والی چیز سمجھنا، اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ اور وہی شخص صاحب معرفت ہے جس کو ایمان بالغیب کا یہ درجہ حاصل ہو جائے۔

جینے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے اندھا بن کر جینا، ایک ہے آنکھ والا بن کر جینا۔ موجودہ دنیا میں یہی امتحان ہے کہ کون شخص کس طرح جیتا ہے۔ جو شخص آج کی امتحان گاہ میں اندھا بن کر جیے گا وہ آئندہ آنے والی مستقل دنیا میں ہمیشہ اندھا ہو کر بھٹکتا رہے گا۔ جو شخص آج کی امتحان گاہ میں بینا بن کر جیے گا وہ آئندہ کی دنیا میں آنکھوں والا ہوگا۔ دنیا کی تمام نعمتیں مزید اضافہ کے ساتھ اس کو ابدی طور پر دے دی جائیں گی۔ (من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ واضل سبیلاً)

آپ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے ہیں۔ آپ کے سامنے میز پر دودھ اور گوشت اور پھل رکھا ہوا ہے۔ اب ایک شخص وہ ہے جو اس کو بس "بازار سے خریدی ہوئی چیز" سمجھ کر کھانا شروع کر دے۔ غفلت اور بے فکری کے ساتھ کھا کر ڈکار لے اور پھر دوبارہ اپنے غفلت کے مشغلوں میں لگ جائے۔

یہ اندھے شخص کا کھانا ہے۔ کیوں کہ دودھ اور گوشت اور پھل "بازار سے خریدی ہوئی چیز" نہیں، وہ قدرت کے عظیم شاہکار ہیں۔ ساری کائنات کے ناقابل بیان عمل کے بعد یہ ممکن ہوا ہے کہ زمین پر دودھ اور پھل اور گوشت موجود ہو اور انسان اس کو کھا کر بھوک مٹائے اور قوت اور زندگی حاصل کرے۔

دوسرا شخص وہ ہے کہ جب اس کے سامنے دودھ اور گوشت اور پھل آیا تو اس کو دیکھتے ہی اس کے ذہن نے سوچنا شروع کیا۔ اچانک اس پر منکشف ہوا کہ یہ قدرت کے کارخانہ کی مصنوعات ہیں۔ خدا کی زندہ فیکٹری (گائے بھینس) گھاس چرتی ہے اور اس کو دودھ اور گوشت میں تبدیل کرتی ہے۔ درخت زمین سے اور فضا سے مٹی اور پانی اور گیسیں لیتا ہے اور اس کو پھول اور پھل میں تبدیل کرتا ہے۔ پھر اور آگے بڑھ کر جب وہ سوچتا ہے کہ ان فیکٹریوں کا قیام کیسے ممکن ہوا تو اس کے سامنے پوری کائنات کا نظام آجاتا ہے۔ اس کو دکھائی دیتا ہے کہ ایک لامحدود کائنات کھرب ہا کھرب سال تک گردش کرتی رہی تب موجودہ دنیا کا نظام قائم ہوا۔ موجودہ دنیا اپنی تمام وسعتوں کو لیے ہوئے کامل ہم آہنگی کے ساتھ مساعدت کرتی ہے اس کے بعد یہ ممکن ہوتا ہے کہ کوئی درخت پھل دے اور کوئی جانور دودھ اور گوشت تیار کرے۔

یہ سب سوچ کر اس کے اندر ایک عجیب تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ دودھ یا گوشت یا پھل اپنے منھ میں ڈالتا ہے تو اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی ایک بے پایاں نعمت کو اپنے منھ میں ڈال رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں آدمیوں کا کھانا ایک نہیں، اس لیے دونوں آدمیوں کا انجام بھی ایک نہیں۔ جس طرح پتھر کھانے والے کا انجام اور پھل کھانے والے کا انجام ایک نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ان دو آدمیوں کا انجام بھی ایک نہیں ہوسکتا جن میں سے ایک نے اندھے پن کے ساتھ کھایا ہو اور دوسرے نے آنکھ والا بن کر کھایا ہو (قل ھل تستوی الاعمیٰ والبصیر وھل تستوی الظلمات والنور)

اندھوں کے لیے دوزخ ہے اور آنکھ والوں کے لیے جنّت۔ آدمی نے جو چیز دنیا میں پائی ہے وہی وہ آخرت میں بھی پائے گا، نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم۔

عُجب

قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ : الاعجاب آفۃ الالباب۔

حضرت علی رضی اللہ نے فرمایا کہ ناز اور خود پسندی عقل کی آفت ہے۔

قال ابو الدرداء رضی اللہ عنہ : علامۃ الجھل ثلاث۔ العجب وکثرۃ المنطق فیما لایعنیہ وان ینھی عن شئ ویاتیہ۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین چیزیں جہالت کی پہچان ہیں۔ فخر و ناز اور بے فائدہ بولنا اور یہ کہ آدمی خود وہی کرے جس سے وہ دوسروں کو منع کرتا ہو۔

قال مسروق : کفی بالمرء علماً ان یخشی اللہ وکفی بالمرء جھلاً ان یعجب بعلمہ

حضرت مسروق تابعی نے کہا : آدمی کے عالم ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہو۔ اور آدمی کے جاہل ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے۔

فخر اور ناز اور غرور اور خود پسندی یہ سب ایک ہی ذہنی کیفیت کے مختلف نام ہیں۔ عربی میں اسی کو عُجب کہا جاتا ہے۔ عجب بلاشبہ سب سے بری اخلاقی بیماری ہے۔ وہ دین اور اخلاق اور انسانیت ہر چیز کی قاتل ہے۔

عُجب کا مریض اپنے آپ کو وہ سمجھتا ہے جو وہ حقیقۃً نہیں ہوتا۔ محدود انسان کا علم بھی ہمیشہ محدود ہوتا ہے۔ بالفرض اگر کوئی شخص تمام انسانی علوم کو جان لے تب بھی وسیع تر کائناتی علم کے مقابلہ میں اس کا علم جزئی ہی رہے گا۔ ایسی حالت میں اپنے علم پر ناز کرنا ایک سلبی فعل ہے جو بذات خود علم کی نفی ہے۔

اس سے بھی زیادہ سنگین بات یہ ہے کہ کسی انسان کا عُجب، اپنے آخری معنی کے اعتبار سے، دانائے کُل کے مقابلہ میں عُجب ہے، وہ اللہ کے آگے سرکشی کے ہم معنی ہے۔ اور اللہ کے آگے سرکشی سے زیادہ بڑا جرم بلاشبہ اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔

نفع بخشی

آج مسلمان ساری دنیا میں بے قیمت ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے بولنے والوں کو سنیے اور ان کے لکھنے والوں کو پڑھیے تو متفقہ طور پر سب کے سب اس کا ایک ہی سبب بتاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور وہ غیر مسلم اقوام کا تعصب اور ان کا ظلم اور ان کی سازشیں ہیں۔ مگر میں اس قسم کی توجیہہ کو بالکل لغو سمجھتا ہوں۔ اس دنیا کا انتظام براہ راست طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے دنیا کے انتظام کو ہندوؤں یا یہودیوں یا عیسائیوں کے حوالے نہیں کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے المیہ کا ذمہ دار غیر مسلم اقوام کو قرار دینا ایک ایسی بات ہے جو زمین و آسمان میں کہیں جگہ پانے والی نہیں۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت خدا کے قانون کے تحت ہے نہ کہ انسانی سازشوں کے تحت۔ قرآن کی سورہ نمبر ۱۳ میں دو مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک، بارش کے بعد ندیوں میں پانی بہنے کی، دوسری، معدنی چیزوں کو صاف کرنے کے لیے انھیں آگ پر تپانے کی۔ دونوں واقعات میں ایسا ہوتا ہے کہ ابتدائً ان کے اوپر جھاگ آجاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے بعد دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ بے فائدہ جھاگ پھینک دیا گیا یا ہوا میں اڑ گیا اور ان کے نیچے جو نفع بخش چیز تھی (پانی یا مثلاً چاندی) وہ باقی رہ گیا:

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاۗءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ (الرعد ۱۷)

پس جو جھاگ ہے وہ سوکھ کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز انسانوں کو نفع پہونچانے والی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ایک ابدی قانون بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں قوموں کے ساتھ معاملہ اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ وہ نافع ہیں یا غیر نافع۔ غیر نافع اس دنیا میں "جُفَاء" بن کر رہ جاتا ہے اور نافع کو اس دنیا میں "مَکْث" حاصل ہوتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمان اللہ تعالیٰ کے اسی قانون کی زد میں ہیں۔ آج کی دنیا میں انھوں نے اپنی نفع بخشی کھو دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جفاء (جھاگ) بن کر رہ گیے ہیں، انھیں ساری دنیا میں کہیں بھی مکث (قیام و استحکام) کا درجہ حاصل نہیں۔

رکاوٹیں زینہ ہیں

۲۶ مئی ۱۹۸۷ کو دہلی کے اخبارات نے اپنے پہلے صفحہ پر جو خبریں نمایاں طور پر دیں ان میں سے ایک خبر وہ تھی جو دہلی سینیر سکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ امتحان سے متعلق تھی :

Delhi Senior Secondary School Certificate examination, Class XII, 1987

اس امتحان میں جن طالب علموں نے ٹاپ کیا ان میں اکثریت لڑکیوں کی ہے۔ اخبارات کے نمائندوں نے ان ٹاپ کرنے والے طلبہ اور طالبات سے ملاقات کرکے ان کا انٹرویو لیا اور اس کو باتصویر خبر کے طور پر شائع کیا۔

ان ممتاز طالب علموں کے حالات میں ایک نہایت سبق کی بات تھی۔ اکثر ٹاپ کرنے والوں میں مشترک طور پر یہ بات پائی گئی کہ وہ خوش حال گھرانوں سے تعلق رکھنے والے نہ تھے۔ درحقیقت ان میں سے کچھ طالب علموں کو سخت رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیوں کہ غریب گھرانوں کا فرد ہونے کی وجہ سے ان کے پاس لکھنے پڑھنے کے لیے مناسب جگہ نہ تھی۔ کتابیں بہت کم تھیں۔ مزید یہ کہ شوروغل ان کے ذہن کو منتشر کرتا رہتا تھا۔ تاہم وہ ان عوامل کو پار کر گیے اور اپنے دل چسپی کے مضمون میں امتیازی نمبر حاصل کیا :

A common thread running the family background of most toppers is that they do not belong to affluent families. In fact, quite a few faced stiff resistance to their academic pursuits due to lack of space and books and noise disturbances. However, they overrode these factors and achieved distinction in their subjects of interest.

The Hindustan Times, New Delhi, May 26, 1987

اسباب کی فراوانی آدمی کے اندر بے فکری پیدا کرتی ہے، اور اسباب کی کمی سے آدمی کے اندر فکرمندی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ اسباب کی فراوانی آدمی کو بے عملی کی طرف لے جاتی ہے اور اسباب کی کمی عمل کی طرف۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو وہ شخص زیادہ خوش قسمت نظر آئے گا جو اسباب کی کمی کے مسئلہ سے دوچار ہو۔

منفی بنیاد

ہندوؤں کا دانشور طبقہ شدت کے ساتھ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بحیثیت قوم ایک ناموافق صورت حال سے دوچار ہے۔ وہ یہ کہ اس کے پاس قومی اتحاد کی کوئی مثبت بنیاد نہیں۔ ایک ہندو، ہندو برادری سے تعلق رکھنے سے پہلے ایک مخصوص ذات سے تعلق رکھتا ہے :

A Hindu, generally speaking, belongs to a caste before he belongs to the Hindu fraternity.

ایک مشہور ہندو دانشور مسٹر گری لال جین نے اپنے مفصل مضمون میں لکھا ہے کہ ہندو قومیت کی دو قسمیں ہیں، منفی اور مثبت۔ منفی ہندو قومیت درجات کے فرق کے ساتھ محض مسلم مخالف جذبہ پر قائم ہے۔ مثبت ہندو قومیت کا تعلق ایک ہندو تشخص کے لیے اپیل کرنے پر ہے۔ مگر چوں کہ یہ تشخص ہندوؤں کے درمیان داخلی یکسانیت نہ ہونے کی وجہ سے غیر واقعی ہے اس لیے مثبت ہندو قومیت وجود میں آنے کے قابل نہیں۔ اس طرح جو چیز ممکن ہے وہ مطلوب نہیں اور جو چیز مطلوب ہے وہ ممکن نہیں :

There are two types of Hindu communalism : negative and positive. Negative Hindu communalism consists in being merely anti-Muslim in varying degrees: positive Hindu communalism consists in appealing in the name of a Hindu identity. But since this identity is very shadowy due to Hindu's lack of internal homogeneity, positive Hindu communalism is not viable. Thus what is possible is not desirable and what is desirable is not possible.

The Times of India, New Delhi, July 4, 1987

اکثریتی فرقہ کی فرقہ پرستی کا حل مسلمانوں نے اب تک ناکام طور پر صرف جوابی کارروائیوں میں تلاش کیا ہے۔ مگر مذکورہ بالا تجزیہ بتاتا ہے کہ اس کا بہترین حل اس کے برعکس طریق عمل میں ہے۔ وہ یہ کہ ہر قسم کی جوابی کارروائی سے مکمل پرہیز کیا جائے، حتی کہ جائز جوابی کارروائی سے بھی۔ اس طریق عمل کے لیے بلاشبہ صبر درکار ہے۔ لیکن اگر مسلمان اس صبر کا ثبوت دے سکیں تو وہ دیکھیں گے کہ اکثریتی فرقہ کا اتحاد بے زمین ہو کر ختم ہو گیا ہے، اور اسی کے ساتھ اس کی اکثریت کا افسانہ بھی۔

تاریخ یا عقیدہ

علامہ اقبال نے کہا ہے کہ جس طرح ایک شخص کی زندگی میں حافظہ کی زبردست اہمیت ہوتی ہے، حافظہ اگر گم ہو جائے یا بالکل ختم ہو جائے تو اس کی زندگی اس کے لیے بے معنی ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک قوم یا ایک ملّت کی زندگی میں تاریخ کی زبردست اہمیت ہے۔ کیوں کہ اگر اس کی تاریخ گم ہو جائے یا گم نامی کی موٹی تہوں کے نیچے دفن ہو جائے تو اس قوم کی زندگی بھی بے معنی اور لغو ہو کر رہ جاتی ہے:

Just as in the life of an individual, memory has great significance, in that if it fades or is lost altogether, then his life becomes meaningless for him. In similar way in the life of a community or a nation, history assumes great importance, because if its history is lost or is buried under thick layers of obscurity, then its life too becomes meaningless and absurd.

یہ نظریہ سے زیادہ شاعری ہے۔ کیوں کہ قومیں عقیدہ پر زندہ ہوتی ہیں نہ کہ تاریخ پر۔ مسلمانوں کا پہلا گروہ (صحابہ و تابعین) بلاشبہ زندہ ترین گروہ تھا۔ جس نے مسلمہ طور پر عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ مگر ان کی کوئی تاریخ نہیں تھی۔ ان لوگوں نے خود اپنے عمل سے یقیناً ایک عظیم ترین تاریخ بنائی۔ مگر خود وہ کسی تاریخ کے وارث نہ تھے۔ اس کے برعکس انھوں نے اپنی تاریخ سے کٹ کر از سر نو ایک بالکل جدید زندگی شروع کی تھی۔

دوسری مثال موجودہ مسلمانوں کی ہے۔ موجودہ زمانہ کے تمام مصلحین (بشمول علامہ اقبال) نے یہ کیا کہ مسلمانوں کو ان کی تاریخ یاد دلائی۔ تاریخ کے موضوع پر، براہ راست یا بالواسطہ انداز میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ ہمارے تمام شاعر اور خطیب اور انشاء پرداز تاریخ کی زبان میں بیداری کا صور پھونکتے رہے۔ مگر قوم کے اندر ایک فی صد بھی کوئی حقیقی بیداری پیدا نہیں ہوئی۔ مسلمان سو سال پہلے جتنے پست حال تھے، آج بھی اتنا ہی یا اس سے زیادہ پست حال ہیں ——— حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کے افراد اپنے اندرونی انقلاب سے ابھرتے ہیں نہ کہ واقعاتِ گزشتہ کی یاد دہانی سے۔

صحیح طریقہ

ٹائمس آف انڈیا (۲۲ اگست ۱۹۸۷) میں مسٹر کے سبرامنیم کا ایک مضمون شائع ہوا ہے اس کا عنوان ہے : ایک حقیقت جس کو مسلمان نظر انداز کرتے ہیں (A Reality Muslims Ignore) اس مضمون میں ہندستانی مسلمانوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس ذیل میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان میں سے ایک بات وہ ہے جو مسلمانوں کی "تہذیبی تشخص" کی تحریکوں کے بارہ میں ہے۔ مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ایک فرقہ جو ایک وسیع تر مجموعہ، جیسے ایک قوم کا جزء ہو، وہ اپنے تشخص کو صرف دو طریقوں سے برقرار رکھ سکتا ہے۔ وہ یا تو وسیع تر مجموعہ کے علی العموم کلچر میں اپنا کوئی بہت خاص حصہ ادا کرے، یا وہ بقیہ لوگوں سے اپنے آپ کو منقطع کر لینے پر اصرار کرے۔ اول الذکر سے یک جہتی پیدا ہوتی ہے، جب کہ ثانی الذکر تصادم کی طرف لے جاتا ہے :

A community, as a constituent of a larger entity like a nation, can sustain its identity in two ways. It can either make its own unique contribution to the overall culture of the larger entity or it can insist on cutting itself off from the rest. While the former leads to integration, the latter leads to conflict.

The Times of India, New Delhi, August 22, 1987

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں "اَلْاَمِیْنُ" کہا جاتا تھا۔ تعمیر کعبہ کے مشہور واقعہ میں صبح کو جب لوگوں نے آپ کو کعبہ میں پایا تو وہ کہہ پڑے : هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَا (یہ امین ہیں، ہم ان پر راضی ہیں) آپ کا امانت دار ہونا آپ کا ایسا امتیاز بن گیا کہ مکہ میں آپ اپنی اسی صفت سے پہچانے جانے لگے۔ یہ تشخص حاصل کرنے کا صحت مندانہ طریقہ ہے۔ جو لوگ کسی سماج میں اخلاقی یا اصلاحی یا تعمیری اعتبار سے ممتاز ہو جائیں ان کو دوسروں کے درمیان ایسا تشخص حاصل ہوتا ہے جو حقیقی تشخص ہوتا ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ اپنا تشخص اس طرح حاصل کرنا چاہیں کہ وہ ہر معاملہ میں دوسروں سے الگ ہونے کی کوشش کریں وہ لوگوں کے درمیان ایک قسم کے "اچھوت" بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان کا تشخص موت کا تشخص ہوتا ہے نہ کہ زندگی کا تشخص۔

Islam in France

By Hanspeter Oschwald

PARIS :

Islam has made huge strides in France, with mosques spreading across the landscape and increasingly self-assured Muslims demanding recognition that this is now a partly Muslim country. Interior Minister Charles Pasqua has instructed his staff to prepare him a report on this strange new "France of the Thousand Mosques" detailing the influence of Islamic fundamentalists. The newspaper and broadcasting have also discovered the "Islamic French" thanks to a major new book by a specialist in Islamic studies and political science professor, Gilles Kepel.

The book, Islam's Suburbs surveys a Muslim community of about 3 million that has often been the target of racism. The numbers have not grown for 15 years, but Muslim consciousness has sharply altered. Kepel, 32, says it is still unclear whether French Muslims will one day be integrated into mainstream French society or simply insert themselves as a foreign body between its folds. But nobody ought to imagine French Muslims will just disappear. Many commentators on the book claim assimilation is inevitable. They say French society and culture is so powerful that even the most radical Muslims will little by little be absorbed. The sceptics prefer the insertion scenario, predicting that Muslims will form their own lobby with spokesmen and institutions that will eventually extract the same sort of recognition from the state enjoyed by Catholics, Protestants and Jews.

That has a catch. As a tolerant Western society, France will readily allot a niche to the purely religious aspects of Islam. But a conflict is in the making over Islam's vision of society and its political implications. The majority French favour a secular state and reject all religious influence on state affairs.

The huge majority of French Muslims are from North Africa and Muslim regions of Black Africa, either migrant workers or holders of French passports. Some are from Turkey. Only a handful are converts of purely French descent.

The bulk of the faithful who bow towards Mecca at the Grand Mosque de Paris in the Rue Jean-Pierre Timbaud are underprivileged outsiders clad in cheap clothes — mostly manual workers, many unable to read or write some have never attended any school. Well-off Muslims worship more discreetly or do not turn up for prayers at all, but they provide the cash that makes the flowering of Islam possible. A look at the bell-pushes in the plush West End of Paris shows plenty of residents of Arab extraction. Backing up their contributions are donations from Gulf Arab foundations or from the Islamic Republic of Iran. The flow of cash has ensured that most Muslims have a place of prayer near at hand.

In just 15 years the number of mosques and places of prayer has grown from just a dozen or so in the whole of France to 1,000. There are a total of 635 Islamic congregations or organisations incorporated under French law. The teachers of this new breed of Islam run the gamut from anti-Western militants to advocates of tolerance, but few preach a distinctively French form of Islam. Kepel sets out the choices in his book but does not predict which will win the day.

He says the anti-Western advocates of isloation from mainstream France are currently making the loudest pitch. They find a ready ear among mingrants ill at ease among the French, unable to speak the French language properly and chary of becoming integrated. The petty racism of day-to-day life in the midst of Christendom drives many such Muslims to take comfort in their religion.

Kepel's book contains many interviews showing that elderly people rediscover their sense of dignity in Islam and try hard to convey that sense to their children. Younger Muslims mostly identify with Islam but do not regard it as a contradiction to their Western lifestyle. Girls in Muslim families absorb French mores and behaviour more readily than any other group. Kepel proposes as the best solution that the French state take the initiative and try to integrate Muslims into mainstream life. He says that the minds and hearts of the Muslims will mainly be won in the schools, where the next generation is growing up. (DPA-Feature)

The Hindustan Times, December 11, 1987

فرانس میں اسلام

اسلام فرانس میں تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ پورے ملک میں کثرت سے مسجدیں بن رہی ہیں۔ فرانس کے وزیر داخلہ چارلس پاسکا نے اپنے عملہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس نئے اور عجیب منظر پر ایک رپورٹ تیار کرکے انھیں دیں جس کو انھوں نے "ہزار مسجدوں کا فرانس" کہا ہے۔ پندرہ سال کے اندر فرانس میں مسجدوں کی تعداد ایک درجن سے ایک ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

علم سیاست کے پروفیسر گلیز کپل کی ایک نئی کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "مضافاتِ اسلام"۔ اس میں انھوں نے انکشاف کیا ہے کہ اس مغربی ملک میں ایک "اسلامی فرانس" وجود میں آرہا ہے۔ اس کے مطابق، فرانس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین ملین ہے۔ ۳۲ سالہ پروفیسر کپل کا کہنا ہے کہ ابھی تک یہ بات غیر واضح ہے کہ فرانس کے مسلمان ایک روز یہاں کے قومی دھارے میں ضم ہوجائیں گے یا نہیں۔ اکثر مبصرین کا خیال ہے کہ فرانس کی سوسائٹی اور اس کا کلچر اتنا طاقتور ہے کہ مسلمان دھیرے دھیرے یہاں کی سوسائٹی میں ضم ہوجائیں گے۔ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں کے مسلمان اپنی شناخت کو محفوظ رکھیں گے اور کیتھولک، پروٹسٹنٹ یا یہود کی طرح ایک علحدہ فرقہ بن کر باقی رہیں گے۔

فرانسیسی مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت شمالی افریقہ کی سیاہ فام نسل سے تعلق رکھتی ہے جو یا تو مہاجر ہیں یا پاسپورٹ پر یہاں رہ رہے ہیں۔ کچھ ترک مسلمان ہیں۔ صرف مٹھی بھر ایسے لوگ ہیں جو اصلاً فرانسیسی ہیں اور مذہب تبدیل کرکے مسلمان بنے ہیں۔ فرانسیسی مسلمان زیادہ تر غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں بہت سے ہیں جو بالکل جاہل ہیں۔

فرانس یورپ کا اہم ترین ملک ہے۔ فرانس جیسے ملک میں تین ملین مسلمانوں کا اجتماع انھیں مغربی دنیا میں اسلام کی دعوت و اشاعت کا زبردست موقع دے رہا ہے۔ مگر دعوتی ذہن نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ساری توجہ صرف اس پر لگی ہوئی ہے کہ اس مغربی ملک میں وہ اپنی گروہی شناخت کو باقی رکھ سکیں۔ دعوت و تبلیغ کا ذہن آدمی کے اندر آفاقیت پیدا کرتا ہے اور قومی شناخت کا ذہن صرف محدودیت۔

حکمتِ تدریج

اگر یہ سوال کیا جائے کہ گھر کیا ہوتا ہے تو گھر کی پوری تصویر اس کے تمام اجزار سمیت بیک وقت آدمی کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ لیکن اگر سوال یہ ہو کہ گھر کیسے بنتا ہے تو جواب کی شکل دوسری ہوگی۔ اب کہا جائے گا کہ پہلے زمین کی فراہمی، پھر بنیاد، اس کے بعد دیواریں، اس کے بعد چھت وغیرہ۔ اسی طرح اگر سوال کیا جائے کہ درخت کیا ہے تو جواب دینے والا بیک وقت پورے درخت کا تعارف کرائے گا۔ لیکن اگر سوال یہ ہو کہ درخت کیسے وجود میں آتا ہے تو جواب دینے والا دوبارہ ایک ترتیب کے ساتھ اجزار درخت کا ذکر کرے گا ——— پہلے زمین، اس کے بعد بیج، پھر پانی اور حفاظت، یہاں تک کہ دھیرے دھیرے پورا درخت۔

یہی معاملہ اسلام کا بھی ہے۔ اگر سوال یہ ہو کہ "اسلام کے احکام کیا کیا ہیں" تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ قرآن وحدیث میں جن احکام کا ذکر ہے، ان سب کی فہرست تیار کرکے رکھ دی جائے لیکن اگر سوال کرنے والا یہ سوال کرے کہ "اسلام کی اشاعت کیسے کی جائے" تو جواب کی شکل بدل جائے گی۔ اب "الاقدم فالاقدم" کے اصول پر جواب دیا جائے گا۔ اب بتایا جائے گا کہ اسلام میں بہت سے احکام ہیں مگر اس کے کچھ اجزا پہلے مرحلہ میں مطلوب ہیں اور کچھ اجزار بعد کے مرحلہ میں۔

بیانِ احکام میں فہرست مطلوب ہوتی ہے اور اشاعتِ احکام میں ترتیب۔ ایک صورت میں تمام احکام بیک وقت بتانے ہوتے ہیں، جب کہ دوسری صورت کا تقاضا ہوتا ہے کہ احکام کو تدریج کے ساتھ ایک کے بعد ایک سامنے لایا جائے۔

تمام کتب فقہ "بیان احکام" کے اسلوب پر لکھی گئی ہیں، اس لیے ان میں ایک ہی کتاب میں تمام احکام کی تفصیل دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر دعوت واشاعت کے مصالح اس سے الگ ہیں۔ فقہ میں اگر فہرست بندی کی اہمیت ہے تو دعوت واشاعت میں ترتیب و تدریج کی۔ دعوت واشاعت کے کام کی یہی حکمت ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے جو صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں مختلف طریقوں سے منقول ہوئی ہے:

قال البخاری: حدثنا حبان، اخبرنا عبد اللہ، عن زکریا بن ابی اسحاق، عن یحییٰ بن

عبد الله بن صيفي، عن ابي معبد مولى ابن عباس، عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لمعاذ بن جبل حين بعثه الى اليمن: "انك ستاتي قوما اهل كتاب، فاذا جئتهم فادعهم الى ان يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله، فان هم اطاعوا لك بذلك فاخبرهم ان الله فرض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فان هم اطاعوا لك بذلك فاخبرهم ان الله فرض عليهم صدقة توخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم، فان هم اطاعوا لك بذلك فاياك وكرائم اموالهم، واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب"

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے کہا۔ تم ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ جب تم ان کے پاس پہونچو تو ان کو دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان کے اوپر ہر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان کے اوپر زکوٰۃ فرض کی ہے جو کہ ان کے دولت مندوں سے لی جاتی ہے اور ان کے غریبوں کو لوٹا دی جاتی ہے۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو اس سے بچو کہ تم ان کا صرف اچھا مال لو۔ اور مظلوم کی پکار سے ڈرو، کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ آپ نے بیانِ احکام اور عملی مطالبہ میں فرق فرمایا ہے۔ حکم بیان کرتے وقت تو آپ نے تمام ضروری احکام بیان فرمائے۔ مگر عمل کے مطالبہ کے معاملہ میں آپ نے نرمی اور رخصت کا اور ترتیب و تدریج کا لحاظ فرمایا۔

مثلاً قبیلہ ثقیف (طائف) کا وفد رمضان ۹ھ میں مدینہ آیا۔ یہ لوگ چھ آدمی تھے۔ اور ان کے سردار عبد یالیل تھے۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں ٹھہرائے گیے۔ وہ کئی دن تک قرآن کو سنتے رہے اور اسلام کے احکام و مسائل کی بابت دریافت کرتے رہے۔

اس سلسلہ میں جو تفصیلات سیرت و حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں، ان سے معلوم

ہوتا ہے کہ احکام اسلام کو بیان کرنے کے معاملہ میں ان سے کوئی کمی نہیں کی گئی۔ تمام احکام پوری طرح سنائے جاتے رہے اور بیان کیے جاتے رہے۔ مگر احکام کے عملی مطالبہ کے معاملہ میں ان سے حسب گنجائش رخصت کا اور تدریج کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک روایت ان الفاظ میں آئی ہے:

قال الامام احمد: حدثنا عفان، حدثنا محمد بن مسلمة، عن حُمید، عن الحسن، عن عثمان بن ابی العاص، ان وفد ثقیف قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانزلهم المسجد لیکون ارقّ لقلوبهم، فاشترطوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الا یصلّوا) والا یُحشروا ولا یعشّروا ولا یجبوا ولا یستعمل علیهم غیرهم، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لکم الا تحشروا ولا تعشروا ولا یستعمل علیکم غیرکم، ولا خیر فی دین لا رکوع فیه"

ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آیا۔ آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا تاکہ وہاں کے ماحول سے ان کے دل نرم ہوں۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ انھیں جہاد کے لیے جمع نہیں کیا جائے گا۔ اور ان سے عُشر نہیں لیا جائے گا اور ان پر ٹیکس نہیں لگایا جائے گا اور ان کے اوپر کسی غیر کو حاکم نہیں بنایا جائے گا اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم سے جہاد میں شرکت کے لیے نہیں کہا جائے گا اور تم پر عُشر نہیں لگایا جائے گا اور تمہارے اوپر کسی غیر کو حاکم نہیں بنایا جائے گا۔ اور اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں اللہ کے آگے جھکنا نہ ہو۔

ایک اور روایت ان الفاظ میں آئی ہے:

قال ابوداؤد: حدثنا الحسن بن الصباح، حدثنا اسماعیل بن عبد الکریم، حدثنی ابراهیم بن عقیل بن معقل بن منبه، عن وهب، سالت جابراً عن شان ثقیف اذ بایعت قال: اشترطت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا صدقة علیها ولا جهاد، وانه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بعد ذلك: "سیتصدقون ویجاهدون اذا اسلموا"

وہب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے ثقیف کی بابت پوچھا جب کہ انھوں نے بیعت کی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ ان پر زکوٰۃ نہ ہوگی اور ان

پر جہاد نہ ہوگا۔ اور یہ کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط مان لی) اور اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو آئندہ وہ زکواۃ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔

اس رخصت یا حکمت تدریج کے لیے کوئی ایک ہی لگا بندھا اصول مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق زیادہ تر حالات سے ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ رخصت برتی جا رہی ہے، یا جن کے ساتھ تدریج کا معاملہ کیا جا رہا ہے۔ ان کی استعداد اور حالات کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا نہ کہ کسی مطلق اصول یا کسی متعین فہرست کی بنیاد پر۔

اس نظریہ کے حق میں ایک ثبوت یہ ہے کہ ثقیف کے ساتھ صدقہ اور جہاد کے معاملہ میں رخصت کا معاملہ اختیار کیا گیا۔ مگر اسی صدقہ اور جہاد کی رخصت ایک اور شخص نے طلب کی تو اس کو اس کی رخصت نہیں دی گئی۔ یہاں ہم اس سلسلہ میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

عن بُشير بن الخصاصية رضي الله عنه قال: اتيتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم لابايعه فقلت علام تبايعني يارسول الله. فمدّ رسول الله صلى الله عليه وسلم يده فقال: تشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له وتصلي الصلوات الخمس لوقتها وتؤدي الزكوٰة المفروضة وتصوم رمضان وتحج البيت، وتجاهد في سبيل الله؛ قلت يارسول الله، كلاً نطيق الا اثنتين فلا اطيقهما الزكوٰة، والله مالي الا عشر ذَود هُنّ رسل اهلي وحمولتهن. واما الجهاد فاني رجل جبان، ويزعمون انّه من ولّى فقد باء بغضب من الله، واخاف ان حضر القتال ان اخشع بنفسي فافرّ فابوء بغضب من الله. فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم يده ثم حرّكها، ثم قال: "يابشير، لاصدقة ولاجهاد: فبِمَ اذن تدخل الجنة؟" قلت: يارسول الله، ابسط يدك ابايعك، فبسط يده فبايعته عليهن كلّهن. كذا في كنز العمال (۱۲/۷) واخرجه احمد، ورجاله موثقون كما قال الهيثمي (۴۲/۱)

بُشیر بن خصاصیہ رض کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تاکہ بیعت کروں (اور اسلام میں داخل ہوجاؤں) میں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، آپ مجھ سے کس چیز پر بیعت لیں گے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور تم پانچ نمازیں ان کے وقت پر پڑھو، اور تم فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔ میں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، میں یہ سب کر سکتا ہوں سوا دو کے، کیوں کہ میں ان دو کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایک، زکوٰۃ۔ خدا کی قسم، میرے پاس صرف دس اونٹ اور اونٹنیاں ہیں۔ وہ میرے گھر والوں کیلئے دودھ کا ذریعہ بھی ہیں اور بار برداری کا بھی۔ اور جہاں تک جہاد کا معاملہ ہے تو میں ایک بزدل آدمی ہوں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص جہاد کے میدان سے پیٹھ پھیرے تو وہ خدا کے غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ جب جنگ کا موقع ہو تو میں ڈر جاؤں اور میدان سے بھاگ جاؤں، پھر میں اللہ کے غضب کا مستحق بنوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس کو حرکت دیتے ہوئے کہا کہ اے بشیر، نہ صدقہ اور نہ جہاد، پھر تم کیسے جنت میں جاؤ گے۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول، اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان سب چیزوں پر آپ سے بیعت کی۔

قرآن کے متعلق معلوم ہے کہ وہ بیک وقت ایک کامل کتاب کی صورت میں نہیں اترا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے ترتیب وار اترا۔ اس طرح اس کے نزول میں ۲۳ سال لگ گئے۔ قرآن کے اس طرح نازل ہونے کا سبب کیا تھا، اس کا جواب حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ملتا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

انما نزل اول ما نزل سورۃ من المفصل، فیھا ذکر الجنۃ والنار۔ حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال والحرام۔ ولو نزل اول ما نزل لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداً۔ ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابداً (بخاری، باب تالیف القرآن)

قرآن میں پہلے وہ مکی سورتیں اتریں جن میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے تب حلال اور حرام کے احکام اترے۔ اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ شراب نہ پیو تو یقیناً لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے۔ اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ زنا نہ کرو تو یقیناً لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔

بیانِ احکام میں ہمیشہ فہرست مطلوب ہوتی ہے اور نفاذِ احکام میں ہمیشہ ترتیب و تدریج۔

ایک سفر

۱۲ جون ۱۹۸۷ کو مجھے ایک اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے افریقہ کے سفر پر روانہ ہونا تھا۔ اتفاق سے آج ہی ایک صاحب کا خط ملا جس میں "سفر نامہ" کے بارہ میں سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ الرسالہ میں سفر نامہ کی اشاعت بند کر دی جائے کیوں کہ اس میں شخصی تذکرے ہوتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ الرسالہ کا سفر نامہ تو تمام تر سبق اور معلومات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ پھر کیوں بعض افراد سفر نامہ کے بارہ میں مخالفانہ رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ سوچتے ہوئے میرا ذہن سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶ کی طرف چلا گیا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن سے بہت سے لوگوں کو گمراہی ملتی ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت۔ میں نے سوچا کہ قرآن تو خدا کی کتاب ہے، وہ پوری طرح بے عیب اور کامل ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ اس سے بھی بہت سے لوگوں کو صرف گمراہی کا رزق حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ قرآن کی اسی آیت میں موجود ہے۔ قرآن میں مکھی کی مثال دی گئی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ قرآن تو خداوند عالم کی کتاب ہے۔ پھر اس میں مکھی اور مچھر جیسی چھوٹی اور معمولی چیزوں کا ذکر کیوں۔

ان لوگوں کی نظر "مکھی" اور "مچھر" کی طرف چلی گئی۔ وہ اس سبق کی طرف نہیں گئی جو مکھی اور مچھر کے تذکرہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ خدا کی کتاب میں مکھی اور مچھر کا تذکرہ کیوں۔ یہی معاملہ الرسالہ کے سفر ناموں کا بھی ہے۔ اس میں بعض اوقات "مکھی" اور "مچھر" کے تذکرے ہوتے ہیں۔ اب جن لوگوں کی نگاہ مکھی اور مچھر پر اٹک کر رہ جائے انھیں سفر نامہ بے فائدہ معلوم ہوگا۔ مگر جن لوگوں کی نگاہ مکھی اور مچھر سے گزر کر اس کے سبق تک پہنچ جائے وہ سفر نامہ میں اپنے لئے قلب و دماغ کی غذا پائیں گے۔ اور خدا کے فضل سے ہمارے قارئین میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

یہ سفر براستہ کراچی ہوا۔ دہلی سے پاکستان ایرویز کی فلائٹ نمبر ۲۹۱ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ جہاز کے اندر پاکستان کے اردو اخبارات برائے مطالعہ موجود تھے۔ ان اخبارات میں میرٹھ کے فرقہ وارانہ فساد کی خبریں تھیں۔ مگر ان کا عنوان "میرٹھ میں فرقہ وارانہ فساد" نہیں تھا۔ بلکہ ان کا

عنوان حسب ذیل الفاظ میں قائم کیا گیا تھا:

بھارت میں مسلم کشی

بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام

بھارت میں مسلمانوں کے خون کی ہولی

ایک طرف اس قسم کی مبالغہ آمیز بلکہ خلاف واقعہ خبریں تھیں۔ دوسری طرف روزنامہ جنگ (کراچی) ۱۲ جون ۱۹۸۷ کے آخری صفحہ پر مہاجر قومی موومنٹ (MQM) کے لیڈر مسٹر الطاف حسین کا ایک بیان تھا جس میں دوسری باتوں کے ساتھ حسب ذیل الفاظ چھپے ہوئے تھے:

"پاکستان کی جو سیاسی اور مذہبی جماعتیں ہندستانی مسلمانوں کے غم میں گھل رہی ہیں، اگر انھیں واقعی ہندستان کے مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی ہے تو وہ سڑکوں پر نکل آئیں اور اس وقت تک کے لئے دھرنا مار کر بیٹھ جائیں جب تک کہ مظلوم مسلمانوں کے لئے پاکستان کی سرحد کھولنے کا مطالبہ تسلیم نہ کرالیں۔ ان مذہبی اور سیاسی جماعتوں کو یہ اعلان کرنا چاہئے کہ ہم آدھا کھانا بھارت کے مظلوم مسلمانوں کو دیں گے اور انھیں یہاں رکھیں گے۔ بھارتی مسلمانوں کے لئے صرف زبانی جمع خرچ کیا جارہا ہے۔"

بظاہر یہ دونوں بیان ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ دونوں ہی کا مقصد اپنے مدمقابل کو ڈسکریڈٹ کرنا ہے۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ ایک کا مدمقابل ہندستان کا ہندو ہے اور دوسرے کا مدمقابل خود پاکستان کا غیر مہاجر مسلمان۔

۱۲ جون کی شام کو ۱۰ بجے میں کراچی پہنچا۔ یہاں تقریباً دو رات اور ایک دن قیام رہا۔ یہ قیام جناب فضل الرحمٰن صاحب ایم اے کے مکان پر تھا۔ وہ ایک ذہین اور صاحب مطالعہ آدمی ہیں، ان سے یہاں کے بارہ میں کافی معلومات حاصل ہوئیں۔

آجکل یہاں مہاجر اور غیر مہاجر مسئلہ زوروں پر ہے۔ یہ مسئلہ اس سے زیادہ شدید صورت اختیار کر چکا ہے جس کو ہندستان میں "ہندو مسلم مسئلہ" کہا جاتا ہے۔ اسی تناؤ کا یہ نتیجہ ہے کہ اپریل ۱۹۸۵ میں جب ایک مہاجر لڑکی بشریٰ زیدی ایک غیر مہاجر (پٹھان) کی ٹرک سے دب کر

ہلاک ہوگئی تو کراچی میں مہاجرین نے بگڑ کر پٹھانوں کو مارا اور ان کی گاڑیوں کو جلایا۔ اس کا بدلہ پٹھانوں نے سہراب گوٹ میں لیا جس کے قریب "علی گڑھ کالونی" کے چھ سو مہاجر جلا دئے گئے یا گولیوں کا نشانہ بنا دئے گئے۔ اس باہمی قتل وخون کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

پاکستان کی تمام بڑی بڑی تحریکوں کی تہ میں یہی مہاجر اور غیر مہاجر کا مسئلہ پایا جاتا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے یہاں کی تجارتوں پر ہندو چھائے ہوئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد یہاں زبردست خلا پیدا ہوا۔ اس کو مہاجرین نے بھرپور طور پر استعمال کیا۔ یہاں تک کہ وہ پاکستان کی صنعت و تجارت کے ۸۰ فی صد حصہ پر قابض ہوگئے۔ اس کے نتیجہ میں مقامی باشندوں میں محرومی کا احساس پیدا ہوا۔ اس معاشی عدم توازن میں توازن پیدا کرنے کی کوشش پہلی بار جنرل ایوب خاں کے دور حکومت میں شروع ہوئی۔ مگر مہاجر طبقہ کے پاس پیسہ تھا۔ چنانچہ مہاجر سرمایہ کے اوپر ایوب خاں کے خلاف شدید تحریک شروع ہوئی۔ ایوب خاں کی بعض "کمزوریوں" کو شوشہ بنا کر ان کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی نظام اسلام تحریک جو ایوب خاں کے خلاف اٹھی، اس کی تہ میں اصلاً اسی مہاجر تحریک کا زور تھا۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک مہاجر تحریک تھی نہ کہ فی الواقع کوئی اسلامی تحریک۔

اس کے بعد مسٹر بھٹو کے خلاف نظام مصطفیٰ کی تحریک بھی اصلاً مہاجر تحریک تھی۔ مسٹر بھٹو مقامی باشندوں (سندھیوں) کے نمائندہ تھے، اور اسلام پسند قیادت مہاجرین کی نمائندہ۔ مسٹر بھٹو کے لئے "سوشلزم" کا نعرہ مفید مطلب تھا، کیوں کہ وہ بڑے بڑے صنعتی اداروں کو نجی ملکیت سے نکالنے کا جواز فراہم کرتا تھا جن پر مہاجر طبقہ قابض تھا۔ اسی طرح دوسرے طبقہ کے لئے اسلام کا نعرہ مفید مطلب تھا۔ کیوں کہ وہ نجی ملکیت کو مقدس قرار دے کر ان کو ان کے مالکوں (مہاجرین) کے قبضہ میں باقی رکھنے کا جواز مہیا کرتا تھا۔ یہ اسلام کے نام پر سراسر غیر اسلامی سیاست تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے منفی نتائج (ایوب اور بھٹو کا زوال) تو رونما ہوئے۔ مگر اس کے ذریعہ کوئی تعمیری مقصد حاصل نہ کیا جا سکا۔

پاکستان میں اس وقت دو مہاجر تحریکیں چل رہی ہیں۔ ایک مہاجر قومی موومنٹ MQM اور دوسری مہاجر اتحاد تحریک۔ اول الذکر زیادہ بڑی سمجھی جاتی ہے۔ ۱۳ جون ۱۹۸۷ کی شام کو مسٹر

طارق جاوید (پیدائش ۱۹۵۷) سے ملاقات ہوئی۔ وہ مہاجر قومی موومنٹ کے وائس چیرمین ہیں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ "آپ کی یہ تحریک قومی تحریک ہے یا اسلامی تحریک"۔ انھوں نے ایک لمحہ کے توقف کے بغیر کہا "نیشنلسٹ تحریک"۔ ہم لوگوں کو اسلام کی بنیاد پر اکٹھا نہیں کر رہے ہیں، ہم صرف مسائل کی بنیاد پر لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہیں۔ کسی نیشنلسٹ تحریک کے لئے زمین ضروری ہے اس لئے ہم نے پانچویں صوبہ (مہاجر صوبہ) کا نعرہ لگایا ہے"۔

مہاجر قومی موومنٹ میں مسٹر الطاف حسین کو "قائد تحریک" کی حیثیت حاصل ہے۔ مسٹر الطاف حسین کراچی یونیورسٹی میں طالب علم تھے۔ انھیں فارمیسی (بی فارما) میں داخلہ نہیں ملا۔ الطاف حسین صاحب نے اس کو مہاجر کے ساتھ امتیاز قرار دیا۔ انھوں نے ۱۱ جون ۱۹۷۸ کو مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (APMSO) کی بنیاد ڈالی اور دھواں دھار تحریک شروع کر دی۔ ان کا کہنا تھا کہ مہاجرین کی کوئی تنظیم نہیں۔ مہاجرین کا کوئی علیحدہ تشخص نہیں۔ ان کو ہر جگہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ وغیرہ۔ اس کے بعد یونیورسٹی میں مہاجرین کے خلاف فضا مزید خراب ہوگئی۔ الطاف حسین اور ان کے ساتھیوں پر ریوالور اور خنجر سے حملے کئے گئے یہاں تک کہ یہ حال ہوگیا کہ الطاف حسین صاحب کے لئے یونیورسٹی جانا ناممکن ہوگیا۔ اب انھوں نے تعلیم چھوڑ دی اور ۱۷ مارچ ۱۹۸۴ کو مہاجر قومی تحریک MQM کی بنیاد ڈالی۔

مسٹر طارق جاوید نے حالات بتاتے ہوئے کہا: "پاکستان میں زندگی کے ہر شعبہ میں مہاجر کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جا رہا ہے۔ کراچی کے اندر کوئی ویکنسی ہوتی ہے تو اس کا اشتہار اخبار میں اس طرح دیا جاتا ہے "کراچی، حیدر آباد اور سکر کے لوگ درخواست دینے کی زحمت نہ کریں"۔ ان الفاظ کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ مہاجر لوگ درخواست نہ دیں، کیوں کہ ان تینوں شہروں کی زیادہ آبادی مہاجرین پر مشتمل ہے۔ ہر قسم کے ذمہ دارانہ منصب پر پنجابی مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ پنجابی کے سوا کسی اور کو لینا نہیں چاہتے۔ کراچی پولیس کی بھرتی ہوتی ہے تو اس کا اشتہار کراچی کے اخبار میں نہیں دیا جاتا بلکہ لاہور کے اخبار میں دیا جاتا ہے تاکہ مہاجرین اس میں درخواست نہ دے سکیں۔ پاکستان ایر لائنز میں سب پنجابی بھرے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ

ہے کہ پی آئی اے پنجاب انٹرنیشنل ایرلائنز ہے نہ کہ پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز۔ ایک پنجابی اگر ٹرافک رول کی خلاف ورزی کرے تو اس کی چالان نہیں ہوگی۔ اور اگر کوئی مہاجر ٹریفک رول کی غلطی کر جائے تو فوراً اس کی چالان ہو جاتی ہے۔ اس وقت پاکستان میں ہمارے لئے بقا کا مسئلہ ہے۔ ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۶ کو "علی گڑھ کالونی" اور "قصبہ کالونی" میں ۶ گھنٹہ تک قتل عام ہوتا رہا۔ بچوں کو زندہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ قریب ہی پولیس چوکی تھی۔ چند کلو میٹر کے فاصلہ پر فوج موجود تھی۔ مگر پولیس یا فوج نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ یہ باقاعدہ پلاننگ سے ہوا ہے۔ پولیس والے شہری لباس میں آئے اور انھوں نے منظم طریقہ پر مہاجرین کو مارا اور جلایا"

مسٹر طارق انور یہ باتیں کہہ رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ پاکستان کا مسلم لیڈر بول رہا ہے یا ہندستان کا کوئی مسلم لیڈر۔

میں نے جناب فضل الرحمٰن صاحب سے پوچھا کہ مہاجرین کا مسئلہ ہندستان اور پاکستان دونوں جگہ پیدا ہوا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہندستان میں یہ مسئلہ جلد ہی ختم ہوگیا۔ چنانچہ آج وہاں "شرنارتھی" نام کے کسی علیحدہ فرقہ کا وجود نہیں۔ اس کے برعکس پاکستان میں یہ مسئلہ آج بھی موجود ہے۔ بلکہ وہ مزید شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ یہاں کے مہاجرین اب اپنے لئے ایک نئی قومیت (مہاجر قوم) کو منوانا چاہتے ہیں اور ایک نیا صوبہ (مہاجر صوبہ) بنانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

فضل الرحمٰن صاحب نے کہا کہ ہندستان کے شرنارتھی محض پناہ لینے کے لئے ہندستان میں داخل ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو صرف پناہ گزیں سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس شمالی ہند کے مسلمان مہاجر یہاں آئے تو اس احساس کے ساتھ آئے کہ ہم پاکستان کے خالق ہیں۔ وہ یہاں ہیرو اور فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔

اسی فرق کا یہ نتیجہ تھا کہ ہندستان کے شرنارتھیوں میں برتری کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا انھوں نے ہر اعتبار سے اپنے آپ کو نئے ماحول کے ساتھ ہم آہنگ کر لیا۔ اس کے برعکس یہاں کے مسلم مہاجرین میں مقامی آبادی کے مقابلہ میں برتری کا احساس پایا جاتا تھا۔ جس کا اظہار بار بار مختلف شکلوں میں ہوتا رہا۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ یہاں کے مقامی باشندوں میں فرزندان

وطن (Sons of the soil) کا نظریہ پیدا ہوا۔ مہاجر کے لئے فخر کی بنیاد تخلیق پاکستان تھی تو مقامی باشندوں نے علاقہ کا قدیم باشندہ ہونے کو فخر کا عنوان بنالیا۔ اس طرح مہاجر اور غیر مہاجر کی کشمکش بڑھتی چلی گئی۔

پاکستان کے مہاجرین کا مسئلہ دراصل اردو بولنے والے مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح ہندستانی مسلمانوں کا مسئلہ بھی بنیادی طور پر اردو بولنے والے مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ یہ اشتراک صرف زبان کا نہیں، بلکہ نفسیات کا بھی ہے۔ دونوں جگہ کا "اردو طبقہ" ایک ہی قسم کی نفسیات میں مبتلا ہے۔ فرق یہ ہے کہ پاکستان کے اردو طبقہ کی نفسیات کا اظہار پاکستانی حالات کے اعتبار سے ہو رہا ہے اور ہندستان کے اردو طبقہ کی نفسیات کا اظہار ہندستانی حالات کے اعتبار سے۔

پاکستان کے مہاجرین کا مسئلہ اس لئے پیدا ہوا کہ وہ وہاں کے مقامی باشندوں کے مقابلہ میں احساس برتری کا شکار تھے۔ یہی چیز ہندستان میں بھی مسلم مسئلہ کو پیدا کرنے کا سبب بنی ہے۔ ہندستان کے جتنے مسلم لیڈر ہیں، خواہ وہ ایک مکتب خیال سے تعلق رکھتے ہوں یا دوسرے مکتب خیال سے، وہ سب کے سب اس بات میں مشترک ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اندر فخر کی نفسیات پیدا کرتے رہے ہیں ——— ہم نے اس ملک کے لوگوں پر ایک ہزار سال تک حکومت کی ہے۔ ہم نے اس ملک کے لوگوں کو تہذیب سکھائی ہے۔ ہم نے اس ملک کو تاج محل کا حسن اور قطب مینار کی بلندی عطا کی۔ اس ملک کے پاس آزادی کے بعد اپنا جھنڈا لہرانے کی بھی کوئی جگہ نہ تھی، ہم نے اس کو لال قلعہ دیا۔۔۔۔ جو لوگ بھی مسلم خطیبوں اور مسلم لیڈروں کی تقریریں سنتے رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہمارے تمام قائدین ایک یا دوسرے انداز میں اسی قسم کی باتیں کرتے رہے ہیں۔ ان باتوں نے مسلمانوں کے اندر اسی طرح برتری کا احساس پیدا کیا جس طرح پاکستان کے مہاجرین میں وہاں کے مقامی باشندوں کے مقابلہ میں برتری کا احساس پیدا ہوا۔

یہی احساس برتری ہے جس نے دونوں ملکوں کے مسلمانوں (اردو داں مسلمانوں) کے لئے مسائل پیدا کئے ہیں۔ پاکستان میں اس کا اظہار مسلمانوں اور مسلمانوں کے درمیان ہو رہا ہے اور ہندستان میں اس کا اظہار ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہوا ہے۔ ان مسائل کا کوئی بھی حل اس کے سوا نہیں کہ دونوں ملکوں کے مسلمان اپنا یہ مزاج ختم کریں اور حقیقت پسند بن کر رہنا

سیکھیں۔ اگر وہ حقیقت پسندی پر راضی نہیں ہوتے تو دونوں کے لئے بربادی کے سوا کوئی اور انجام مقدر نہیں۔

"پاکستان بناکر ہمارے بزرگوں نے ایسی غلطی کی ہے جس کی سزا ہم اب تک بھگت رہے ہیں" چودھری منیر جاوید (پیدائش ۱۹۴۳) نے کہا۔ انھوں نے مہاجرین کے خلاف ان "مظالم" کی تفصیل بیان کی جو علی گڑھ کالونی اور قصبہ کالونی میں ان کے ساتھ کئے گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ معاملہ شروع کہاں سے ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ اکتوبر ۱۹۸۶ میں حیدر آباد (سندھ) میں مہاجر قومی موومنٹ کا جلسہ تھا۔ اس موقع پر کراچی سے ۲۵ ہزار آدمی گئے۔ کراچی سے جانے والی بسوں کا خرچ ۴۰ لاکھ تھا۔

مہاجرین کا یہ قافلہ جب سہراب گوٹ (پٹھانوں کی بستی) کے پاس پہنچا تو انھوں نے پٹھانوں کے خلاف نعرے لگائے۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان فائرنگ ہوئی۔ پولیس کے بیان کے مطابق پہلے مہاجر کی طرف سے فائر کیا گیا۔ اس کے بعد پٹھانوں نے جواب میں گولی چلائی۔ مہاجرین کا کہنا ہے کہ پہلے پٹھانوں کی طرف سے گولی آئی۔ اس کے بعد مہاجرین نے فائر کیا۔ اس موقع پر ایک پولیس افسر (ارتضیٰ حسین) کو بھی گولی لگی۔

یہ واقعہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ کا ہے۔ اس وقت سے اب تک مہاجر اور پٹھان کے درمیان کش مکش جاری ہے۔ دونوں طرف اشتعال ہے اور کوئی بھی چھوٹا سا واقعہ دونوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیتا ہے۔ باقاعدہ گولیاں چلتی ہیں۔ آتش زنی کی جاتی ہے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ اب تک دونوں طرف سے تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمی مارے جا چکے ہیں۔

میں نے یہاں کے ایک تعلیم یافتہ صاحب سے کہا کہ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان اور مسلمان اس طرح آپس میں لڑ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو زندگی کی علامت ہے۔ زندہ لوگ ہی آپس میں لڑتے ہیں۔ مردہ لوگ کیا لڑیں گے۔" میں نے کہا کہ اسی قسم کا واقعہ جب ہندستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہوتا ہے تو آپ اس کو ہندو بربریت کے خانہ میں ڈال دیتے ہیں۔ اور جب یہی واقعہ پاکستان میں ہو تو اس کو مسلمانوں کی زندگی قرار دے رہے ہیں۔

کراچی میں کئی ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو قدیم سندھی ہیں۔ ان سے تفصیلی گفت گو ہوئی۔

گل حسن تھہیم (پیدائش ۱۹۲۹) جیکب آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان سے میں نے سندھ کے ہندوؤں کے بارہ میں پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ سندھ کے ہندو سندھ کے مسلمانوں سے زیادہ خوش حال ہیں" "ہماری بات گورنمنٹ میں کم سنی جاتی ہے اور ہندوؤں کی بات گورنمنٹ میں زیادہ سنی جاتی ہے"۔ انھوں نے کہا "یہاں کا ہندو ہماری چھاتی پر بیٹھا ہوا ہے اور ہم اس کو چوم رہے ہیں"۔

اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو لوگ مسلمانوں سے زیادہ باشعور ہیں۔ میرٹھ کے فساد کے بعد اس کے ردعمل میں مئی ۱۹۸۷ میں جیکب آباد وغیرہ میں مسلمانوں نے ہندوؤں کی دکانیں توڑیں۔ مندر جلائے۔ مگر ہندوؤں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ اس فساد میں ہندوؤں کا تقریباً پانچ کروڑ روپیہ کا نقصان ہوا۔ مگر جس وقت ان کی دکانوں میں آگ لگ رہی تھی وہ اپنے گھروں میں چلے گئے اور دروازہ بند کرکے بیٹھ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود مسلمانوں نے اور پولیس نے ان کی آگ بجھائی۔ وہ بڑے سیانے لوگ ہیں"۔

گل حسن تھہیم نے کہا کہ ہماری سندھی زبان میں ایک مثل ہے اور یہاں کے ہندو پوری طرح اس پر عمل کرتے ہیں۔ وہ مثل اس طرح ہے: جا سگھے حاجت ناہیں ہتھیار ن جی اتے بھجن کم وریامن جو (جہاں ہتھیار کام نہ دیں وہاں بھاگ جانا ہی دانش مندی ہے) انھوں نے بتایا کہ اس ہوشیاری کا نتیجہ ہندوؤں کو یہ ملا ہے کہ جیکب آباد کی تجارت آج ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ گورنمنٹ نے زراعت کے لئے "انٹرسٹ فری لون" کی اسکیم چلائی تو اس کا بھی زیادہ فائدہ ہندوؤں کو ملا۔

انھوں نے بتایا کہ جیکب آباد میں تقریباً تمام رائس ملیں ہندوؤں کی ہیں۔ ہندو اس کام کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً وہ برائے نام کسی مسلمان کو اپنی مل میں حصہ دار بنالیں گے اور اس کے بعد اس کا نام "اسماعیل رائس مل" رکھ دیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۱۴ جون ۱۹۸۷ کی دوپہر کو میں کراچی سے طرابلس پہنچا۔ یہاں میرا قیام الفندق الکبیر کے کمرہ نمبر ۳۰۴ میں تھا۔ ٹیلیویژن پر اعلان کی وجہ سے فوراً ہی بہت سے لوگوں کو اطلاع ہوگئی۔ چنانچہ شہر کے کئی لوگ اسی دن ملنے کے لئے آگئے۔ تقریباً ایک درجن عرب نوجوان بھی جمع ہوگئے۔

عرب نوجوانوں پر عام طور پر سید قطب کے انقلابی فکر کا غلبہ ہے۔ میں نے اسی کو گفتگو کا موضوع بنایا۔ میں نے کہا کہ یہ اسلام کی سراسر غلط تفسیر ہے۔ اور اس تفسیر نے پوری نسل کو برباد

کرکے رکھ دیا ہے۔ ان لوگوں نے اسلام کو سیاسی ٹکراؤ کے ہم معنی بنا دیا۔ جہاں جہاں یہ اسلامی سیاسی فکر بنا، لوگ اپنے حکمرانوں کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ اس کے نتیجہ میں حکمرانوں نے انھیں کچلنے کی کوشش کی۔ اب انھوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ مسلم حکمراں اسلام کے دشمن ہیں۔ حالانکہ واقعہ صرف یہ تھا کہ مسلم حکمراں اپنے اقتدار کو چیلنج کرنے والوں کے دشمن تھے۔ یہ لوگ اگر غیر سیاسی انداز میں کام کرتے تو اپنے ملک کے مسلم حکمرانوں کو وہ اپنا معاون پاتے۔ مگر سیاسی انداز میں کام کرنے کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا اور مسلم ملکوں کے تمام بہترین امکانات برباد ہو کر رہ گئے۔

سیاسی قربانیوں سے عملاً قوم کو کچھ نہیں ملتا۔ البتہ سیاسی قربانی دینے والا بعد کی نسلوں کے لئے ہیرو بن جاتا ہے۔ اس انقلابی فکر کے موجودہ حاملین کا حال یہ ہے کہ وہ عملاً دوسروں کی طرح دنیا میں غرق ہو چکے ہیں۔ اب انھیں "سید قطب" کی طرح قربانی نہیں دینا ہے، البتہ "سید قطب" کو گلوریفائی کرکے سیاسی اور مادی فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس اسلامی کانفرنس میں مجموعی طور پر تقریباً چالیس آدمی شریک تھے۔ یہ سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان تھے اور دنیا کے مختلف حصوں سے آئے تھے۔ ان میں اکثریت اسلامی اداروں اور اسلامی تنظیموں کے ذمہ دار حضرات کی تھی۔ تین زبانیں اظہار خیال کا ذریعہ تھیں۔ عربی، انگریزی اور فرانسیسی۔

میں مختلف ملکوں کی اسلامی کانفرنسوں میں شریک ہوا ہوں۔ میرا احساس ہے کہ ہر جگہ لوگوں کی تقریروں کا نمایاں پہلو "دشمنان اسلام" کے حملوں پر اپنے ردعمل کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ مخططات ضد الاسلام والمسلمین، محاولات الاعداء، بس اس قسم کے الفاظ ہر ایک کی زبان پر ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اغیار کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کرنے سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو اسلام کے سایۂ رحمت میں لانے کی کوشش کریں۔ ان کا جواب یہ تھا: غیر مسلموں کو اسلام کی طرف لانا بھی ایک کام ہے، مگر اس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو موجودہ اجنبی حملوں سے بچایا جائے ——— موجودہ مسلمانوں کے فکر پر دفاعی مسائل اتنے زیادہ غالب ہیں کہ وہ دعوتی باتوں کو سمجھ نہیں پاتے۔ یہی تمام مسلم ملکوں کا حال ہے۔

یہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو افریقہ سے آئے تھے۔ ان کے یہاں الرسالہ انگریزی

جاتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس کو بہت سے لوگ نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ہر ماہ اس کے منتظر رہتے ہیں۔ ایک قاری کا تاثر انھوں نے ان الفاظ میں بتایا:

قرأت الكثير من الكتب الاسلامية وكانت لدىّ استفسارات حول الاسلام۔ فما وجدت الاجوبة الا بعد قرأتى لمجلة الرسالة الصادرة من نيو دلهى باللغة الانجليزيه

شريف سالم حسين، ص ب ۱۲۸ مارسبت، افريقه

ایک اور صاحب سلیمان عمرانی کیلیمیلی سے ملاقات ہوئی۔ وہ دارالسلام (تنزانیہ) سے آئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ایک بار میں ایران گیا تھا۔ وہاں مجھے آپ کی کتاب الاسلام یتحدی ملی۔ اس کو میں تین بار پڑھ چکا ہوں۔ اس کتاب پر عربی کی یہ مثل صادق آتی ہے: كل اللحم فى جوف الفرا۔ اس کتاب میں اتنی زیادہ باتیں ہیں کہ آدمی ہر بار پڑھنے میں نئی بات پاتا ہے (من يقرأ كتاب الاسلام يتحدى يستفيد فى كل مرة شيئاً جديدا۔ فاذا قرأ الانسان فى المرة الاولىٰ واستفاد شيئاً فى المرة الثانية يستفيد شيئاً آخر، وهكذا دواليك)

Suleimab Amrani Kilemile
P.O. Box 45257, Dar-es-Salam, Tanzania, Africa

محمد ارشد الفرحان (کویت) نے ایک بحث میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو چاہئے کہ مسجدوں کو سیاست سے الگ رکھیں۔ عرب ممالک میں لوگوں نے مساجد کے اندر سیاسی تقریریں شروع کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تمام عرب ممالک میں مساجد نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد بند کر دی جاتی ہیں۔ حالانکہ مساجد کو ثقافت اسلامی کا مرکز بننا تھا مگر ان کو سیاسی مرکز بنانے کی کوشش میں مسجد کی یہ دینی حیثیت ہم سے چھن گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم کو چاہئے کہ ہم بقیہ ملکوں میں ان مساجد کو سیاست سے دور رکھیں تاکہ ان کے ساتھ وہ پیش نہ آئے جو عالم عرب کی مساجد کے ساتھ پیش آچکا ہے (حتى لا يصيب لهذه المساجد ما اصاب فى العالم العربى)

ویسٹ انڈیز کے ایک صاحب نے بتایا کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی تصویر ایک دہشت پسند انسان کی تصویر بن گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایک بار میری ملاقات ایک عیسائی عالم سے ہوئی۔ اس نے ان کی داڑھی اور ٹوپی کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ مسلمان ہیں۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا ایک حصہ یہ تھا:

Are you a Muslim ?
Yes.
Then you are a terrorist.

یہاں کے دوران قیام میں کئی بار عربوں کی مجالس کو خطاب کرنے کا موقع ملا۔ میں نے اسلام کے مختلف فکری پہلوؤں پر اظہار خیال کیا۔ ایک مجلس میں میں نے اس بات کی وضاحت کی کہ موجودہ زمانہ میں جہاد کا غلط مفہوم لے لیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان غیر ضروری طور پر دوسروں سے اور خود اپنے حکمرانوں سے ٹکراؤ کر رہے ہیں، اور اس کی وجہ سے نہایت قیمتی وسائل اور مواقع برباد ہو رہے ہیں۔

ایک مجلس میں میں نے صلح حدیبیہ کی حکمت کے بارہ میں تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا۔ میری عربی اگرچہ ہندستانی عربی تھی مگر وہ لوگ بے حد غور کے ساتھ سنتے رہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندستانی ہونے کے باوجود آپ کی زبان ہم کو پسند ہے، کیوں کہ وہ مجرّد اسلوب میں ہوتی ہے اور پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ صلح حدیبیہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے میں نے کہا:

بعد ما تم صلح الحديبية نزلت سورة الفتح وجاء فيها و يهديك صراطاً مستقيماً فكأنّ هذا الصلح كان هادياً ابدياً لكيفية معاملة الاعداء كي نحقق النصر عليهم۔ ثم انظر كيف كان صلح الحديبية۔ كان على شروط قريش۔ فهذا الصلح ما حصل الّا بعد ما رضي صلى الله عليه وسلم على شرط أعداء الله بطرف واحد۔ وبتعبير آخر، رضي الرسول صلى الله عليه وسلم بالهزيمة فجاءه الفتح العظيم۔ فهذا هو سر النجاح في هذا العالم، وفي العصر الحاضر نرى جماعات و شخصيات كثيرة قامت من اجل الاسلام ولكنّهم فشلوا في ادراك النجاح حتى بعد مئات السنين۔ والسبب واحد۔ فهم يريدون

ان یتعاملوا مع الاعداء علی شروطهم فلم یتحقق لهم النجاح۔ و لو رضوا علیٰ شرط الطرف الآخر لتم لهم النجاح و لتحقق مستقبل جدید للاسلام فی هذا القرن۔

ان لوگوں نے مختلف قسم کے سوالات کئے جن کا جواب میں اپنی عربی میں دیتا رہا۔ مثلاً ایک مجلس میں ایک عرب نے سوال کیا کہ اسم اعظم کیا ہے۔ اس کے جواب میں میں نے کہا:

ان الاسم الاعظم هو بمعنی النعت الاعظم او الحمد الاعظم۔ فهو صفة للمعرفة لا صفة للفظ۔ ان الانسان حین یدرك ربه بعظمته و جلاله فتخرج من اعماق روحه کلمات فیها انوار لعظمة الله تعالیٰ، فذالك هو الاسم الاعظم۔ فلیس هناك لفظ واحد بعینه الذی هو اسم اعظم بصفة مطلقة بل لکل واحد منا لفظ و لکل واحد منا اسم اعظم۔ فالاسم الاعظم هو اسم معنوی لا اسم لفظی۔

ایک عرب عالم نے "عبادت" کی سیاسی تشریح کی۔ انھوں نے کہا کہ عبادت کا مطلب تذلل اور خضوع نہیں بلکہ اس کا مطلب خلافت ارضی کے لئے انسان کو تیار کرنا ہے (تهیئة الانسان و اعداده للخلافة فی الارض) اپنے اس نقطۂ نظر کے حق میں انھوں نے لسانیات سے استدلال کیا۔ میں نے کہا:

العلم باللغة العربیة وحدها لا یکفی۔ و اوضح مثال علی ذالك انه یروی ان عتبة بن ربیعه اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم وسأله عن دینه۔ فقرأ علیه الرسول جزءً من القرآن۔ فلما رجع الی قومه اخبرهم انه جاء من محمد وسمعه یقرأ القرآن ولکن ما فهمت شیأ مما قاله غیر انه انذرکم صاعقة مثل صاعقة عاد وثمود۔ قالوا ویلك یکلمك الرجل بالعربیة لا تدری ما قال۔ قال لا والله ما فهمت شیأ مما قال غیر ذکر الصاعقة۔ ان هذا العربی لم یفهم القرآن رغم انه کان باللغة العربیة۔ لانه کانت عنده العقلیة اللغویة و لم تکن عنده العقلیة الدینیة

فالعقلية اللغوية وحدها لا تكفي۔

اسی طرح کچھ عرب نوجوانوں کے سامنے میں نے حضرت عمرؓ کے ایک قول کی تشریح کی جس سے انھوں نے پوری طرح اتفاق کیا۔ وہ قول یہ ہے: لیس العاقل الذی یعرف الخیر من الشر ولکنه الذی یعرف خیر الشرین (عقل مند وہ نہیں ہے جو خیر اور شر کو جانے۔ عقلمند وہ ہے جو یہ جانے کہ دو شر میں سے خیر کون سا ہے)

میں نے کہا کہ زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انتخاب (Choice) خیر اور شر کے درمیان نہیں ہوتا بلکہ ایک شر اور دوسرے شر کے درمیان ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں آدمی کو ایک کم تر شر پر راضی ہونا پڑتا ہے تاکہ وہ اس کو اختیار کرکے خیر کامل تک پہنچ سکے۔

اس کی ایک مثال حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ حدیبیہ کے موقع پر جو انتخاب تھا وہ عمرہ ادا کرنے اور عمرہ ادا نہ کرنے کے درمیان نہیں تھا بلکہ عمرہ ادا نہ کرنے اور لڑ کر ہلاک ہو جانے کے درمیان تھا۔ آپ نے اس کو اہون سمجھا کہ وقتی طور پر عمرہ کی ادائیگی پر اصرار نہ کیا جائے تاکہ آئندہ ہمیشہ کے لئے عمرہ اور حج کی ادائیگی کا دروازہ کھل سکے۔

الاخوان المسلمون کے لئے مصر میں اور جماعت اسلامی کے لئے پاکستان میں اسی قسم کے حالات تھے۔ انھیں ابتداءً کم تر شر پر راضی ہونا تھا تاکہ آخر کار وہ خیر برتر تک پہنچ سکیں۔ مگر وہ اس راز کو سمجھ نہ سکے۔ اگر وہ اس پیغمبرانہ نہج پر کام کرتے تو یقیناً آج مصر اور پاکستان کی تاریخ دوسری ہوتی۔

ایک مرتبہ میں نے اندازہ کرنا چاہا کہ عرب نوجوان اس فکر کو کتنا سمجھے ہیں۔ چنانچہ میں نے عرب نوجوانوں کی ایک جماعت سے سوال کیا:

هل منكم من يفسّر هذا القول: الذي سيجري على الكافر في الآخرة يجري على المؤمن في هذه الدنيا (کیا آپ میں سے کوئی ہے جو میرے اس قول کی تشریح کرے: جو کچھ کافر پر آخرت میں گزرے گا وہ مومن پر اسی دنیا میں گزر جاتا ہے)

مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ انھوں نے سوال کی گہرائی کو پوری طرح سمجھ لیا اور بالکل درست طور پر اس کا جواب دیا۔

یہاں عرب نوجوانوں کی کافی بڑی تعداد ہے جو اسلامی مرکز سے بخوبی واقف ہے اور اس دینی فکر سے بہت قریب ہے جو اسلامی مرکز کے تحت سامنے لایا جا رہا ہے۔ چند سفروں میں وہ لوگ مجھ سے زبانی طور پر اس مشن کے بارہ میں سنتے رہے ہیں۔ اور اب خدا کے فضل سے وہ اس مشن سے بہت قریب آچکے ہیں۔

ایک عرب نوجوان جو انجینئر ہیں، انھوں نے تاثرات بیان کرتے ہوئے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بارہ میں یہ الفاظ کہے:

إننا نشعر اننا كنّا في ظلام، لا نعرف اين نسير. وعندما عرفنا الفكرة وعرفنا صاحب هذه الفكرة شعرنا كاننا خرجنا الى النور والهداية وكأننا وُلِدنا من جديد. هذا واحد في المأة من الشعور الحقيقي الاصلي، لاننا لا نعرف كيف نعبّر عن هذه الحقيقة التي نجدها في قلوبنا۔

۱۶ جون ۱۹۸۷ کی صبح کو عرب طلبہ کی ایک جماعت میرے کمرہ میں آگئی۔ ان سے مختلف اسلامی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو کے دوران میں نے کہا کہ سنت میں ہر قسم کی رہنمائی موجود ہے۔ مگر نقص مطالعہ کی وجہ سے ہم سنت سے رہنمائی حاصل نہیں کر پاتے۔

میں نے کہا کہ مثال کے طور پر ایک حدیث ہے۔ اُمِرتُ بقرية تأكل القرىٰ يقولون يثرب وهي المدينة (مجھے ایک بستی کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی۔ لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے) آپ حدیث کی کتابیں پڑھیں تو یہ حدیث آپ کو "فضائل مدینہ" کے باب کے تحت لکھی ہوئی ملے گی۔ چنانچہ پڑھنے والا جب اس کو پڑھتا ہے تو وہ اس کو مدینہ نامی ایک بستی کی فضیلت کے خانہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ حالانکہ گہرائی کے ساتھ غور کیجئے تو اس حدیث میں دعوت اسلامی کا منہاج بتایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "مکہ" میں اگر کام کے مواقع نہ مل رہے ہوں تو "مدینہ" کو اپنے کام کا مرکز بناؤ۔ کیوں کہ مدینہ کے راستہ سے تم مکہ تک بلکہ تمام بستیوں تک پہنچ سکتے ہو۔

اس سلسلہ میں میں نے سید جمال الدین افغانی کی مثال دی۔ جس زمانہ میں وہ پیرس میں

تھے اور العروۃ الوثقی کے نام سے ایک سیاسی اور احتجاجی پرچہ نکال رہے تھے، انھوں نے اپنے شاگرد مفتی محمد عبدہ سے کہا کہ یورپ کے مقابلہ میں امریکہ میں اسلامی دعوت کی کامیابی کے بہت زیادہ مواقع ہیں۔ یورپ چونکہ صلیبی لڑائیوں میں براہ راست شریک تھا، اس کے یہاں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت پائی جاتی ہے۔ مگر امریکی قوم اس قسم کی نفسیات سے خالی ہے۔ اس لئے امریکہ میں اگر تبلیغ کا کام کیا جائے تو ان کے اندر تیزی سے اسلام پھیلے گا۔ شیخ محمد عبدہ نے کہا کہ پھر کیوں نہ ہم موجودہ سیاسی کام چھوڑ دیں اور امریکہ جاکر دینی تبلیغ کا کام کریں۔ مگر جمال الدین افغانی کو یہ کام چھوٹا کام نظر آیا۔ انھوں نے کہا: انما انت مثبط۔

جمال الدین افغانی کے لئے امریکہ گویا "مدینہ" تھا۔ وہ امریکیوں میں دعوتی کام کر کے بالآخر غیر امریکیوں کو بھی اپنے دائرۂ اثر میں لا سکتے تھے۔ مگر انھوں نے اس راز کو نہیں سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے امریکیوں کو بھی کھویا اور غیر امریکیوں کو بھی۔

اپنے ذوق کے اعتبار سے سفر میرے لئے نہایت وحشت خیز ہوتا ہے۔ میں صرف اس لئے سفر کرتا ہوں کہ سفر کے دوران جو تجربات ہوتے ہیں ان کا حصول کسی اور طریقہ سے ممکن نہیں۔ اپنے ہوٹل کے کمرہ میں میں اپنے تجربات کو اپنی یادوں کی دنیا میں سمیٹ رہا تھا اس وقت میرے ذہن میں یہ سوال آیا کہ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ تمہارے اس سفر کے تجربات کا آخری خلاصہ کیا ہے تو میں کیا کہوں گا۔ یہ سوچتے ہوئے یہ فقرہ میری زبان پر آگیا ——— کامل انسان وہ ہے جو اپنے کو غیر کامل سمجھے، جو بڑا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو چھوٹا بنالے۔ اور یہ حقیقۃً ہو نہ کہ اظہار خاکساری کے طور پر۔

واپسی روم کے راستہ سے ہوئی۔ الیٹالیا کے جہاز کے ذریعہ ۲۰ جون کی سہ پہر کو روم پہنچا۔ یہاں ہوائی اڈہ کے پسنجر سروس پر میں نے اپنا ٹکٹ دکھایا اور معلوم کیا کہ ایر انڈیا کا بورڈنگ پاس لینے کے لئے مجھے کہاں جانا چاہئے۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے اطالوی آدمی نے کمپوٹر پر انگلیاں ماریں اور کہا کہ "گیٹ نمبر ۱۴"۔ وسیع ہوائی اڈہ کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا میں گیٹ نمبر ۱۴ پر پہنچا تو وہاں کاؤنٹر پر ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کو میں نے اپنا ٹکٹ دیا۔ اس نے دوبارہ کمپوٹر پر اپنی انگلیاں ماریں اور اس کے نقوش کو دیکھ کر بتایا کہ آپ گیٹ نمبر ۱۴ پر جائیں۔

اب دوبارہ مجھے اِس سرے سے اُس سرے کا سفر کرنا پڑا۔

خاتون کی اطلاع درست تھی۔ اس نے ۱۴ کو ۱۴ پڑھا۔ جب کہ مرد نے ۱۴ کو ۴۱ پڑھ لیا۔ اس دنیا میں وہی رہنما سچا رہنما ہے جو ۱۴ کو ۱۴ پڑھے جو رہنما ۱۴ کو ۴۱ پڑھ لے وہ لوگوں کو بھٹکانے کے سوا کوئی اور خدمت انجام نہیں دے سکتا۔

گیٹ ۱۴ پر میں نے اپنا ٹکٹ دیا تو اس نے اکانومی کلاس کا بورڈنگ کارڈ دیدیا حالانکہ میرا ٹکٹ اوپر کے درجہ کا تھا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اوپر کے درجہ میں آپ کا نام ویٹنگ لسٹ میں تھا، چوں کہ اس میں سیٹ خالی نہیں ہے اس لئے اگر آپ اس جہاز سے سفر کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اکانومی کلاس میں جانا ہوگا۔ میں بورڈنگ پاس لے کر انتظار گاہ میں بیٹھ گیا اور یہ سوچکر مطمئن ہوگیا کہ دونوں درجہ کے مسافر ایک ہی وقت میں منزل پر پہنچیں گے، پھر اس کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت۔

انتظار گاہ میں میرے قریب ایک اور صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ایک جرمن انجنیر ہیں اور ٹکنکل تعاون کے تحت ہندستان جارہے ہیں:

Gunter Gentzsch, Ingenieur
DDR-6530 Hermsdorf, Thur. Telefon: 510

ان سے گفتگو ہونے لگی۔ میں نے پوچھا کہ آپ خدا کو مانتے ہیں۔ انھوں نے کہا نہیں۔ میرے والدین خدا و مذہب کو مانتے ہیں، مگر میں نہیں مانتا۔ میں نے پوچھا پھر آپ کس چیز پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا عوام (People) پر۔ انھوں نے کہا کہ اصل اہمیت کی چیز انسانیت ہے نہ کہ مذہب۔ اس طرح کی گفتگو دیر تک ہوتی رہی۔

اتفاق سے ان کا کیس بھی وہی تھا جو میرا تھا۔ یعنی ان کا ٹکٹ بھی اوپر کے درجہ کا تھا مگر ریزرویشن کے وقت ان کا نام ویٹنگ لسٹ میں تھا۔ چنانچہ سیٹ نہ ہونے کی بنا پر ان کو اکانومی کلاس کا بورڈنگ پاس دیا گیا تھا۔ ہم لوگ انتظار میں بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے کہ اتنے میں ایر انڈیا کا اطالوی نمائندہ آیا۔ اس نے کہا کہ اوپر کے درجہ میں صرف ایک سیٹ ہے۔ اب آپ دونوں فیصلہ کرلیں۔ میں نے کہا کہ آپ (جرمن انجنیر) ہمارے ملک میں

بطور مہمان جا رہے ہیں اس لئے ان کا حق مقدم ہے۔ مگر میرے اصرار کے باوجود وہ سیٹ لینے پر راضی نہ ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ میں ایک "ینگ" آدمی ہوں اور آپ "اولڈ" آدمی ہیں اس لئے آپ کا حق پہلے ہے۔ آخر کار انھوں نے میرا بورڈنگ پاس بدلوا کر اس کو اوپر کے درجہ کے لئے کرا دیا۔

۲۱ جون ۱۹۸۷ کی صبح کو میں واپس دہلی پہنچا۔

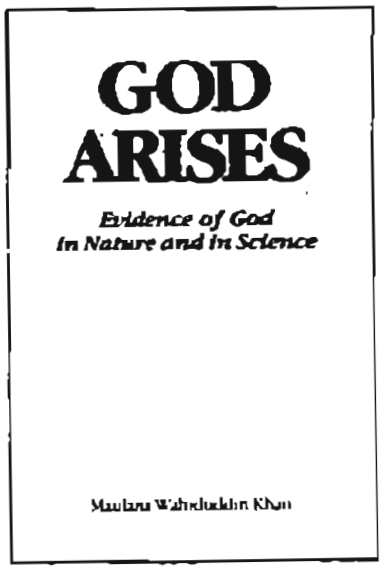

God Arises
by Maulana Wahiduddin Khan

This English edition of *Mazhab Aur Jadeed Challenge*, is an updated version, incorporating considerable additional material.

It has also been translated into a number of other languages, including Arabic, French, Turkish, Malay, Serbo-Croatian (Yugoslavian), Sindhi, Tamil, etc., and has come to be accepted as standard work on the Islamic position vis-a-vis modern thought.

Pages 265   ISBN 81-85063-14-1
81-85063-17-6   Price Rs. 45

THE ISLAMIC CENTRE
C-29 Nizamuddin West New Delhi - 110 013

الرسالہ اور اسلامی مرکز کی کتابوں کے لیے حیدرآباد میں بک اسٹال

زیر اہتمام : الرسالہ اکیڈمی، حیدرآباد

اسٹال نمبر ۱، ۴، ۲، ۴۔ نمائش میدان، قرب رمنی ریلوے اسٹیشن، حیدرآباد

ایک مثال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تیرھویں صدی قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ آپ کی پرورش قدیم مصر کی راجدھانی ممفس (Memphis) میں ہوئی۔ اس زمانہ میں مصر میں دو قومیں آباد تھیں۔ ایک قبطی جو ملک کا اکثریتی فرقہ تھا۔ فرعون اسی فرقہ کا ایک فرد تھا جس کا خاندان اس زمانہ میں مصر میں حکومت کر رہا تھا۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جس کو بنی اسرائیل (یہود) کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ نہ صرف اقلیت میں تھا بلکہ حکمراں اکثریتی فرقہ اس کو زبردست ظلم وستم کا نشانہ بنائے ہوئے تھا۔ وہ مصر میں پست طبقہ کی حیثیت رکھتے تھے اور محنت مزدوری کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ مزید یہ کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی نوجوان اعلیٰ صلاحیت کا نظر آتا تو فرعون (شاہِ مصر) اس کو قتل کرا دیتا تاکہ وہ بنی اسرائیل کا قائد بن کر حکمراں طبقہ کے لیے کوئی مسئلہ نہ کھڑا کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ اسرائیلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا فرمائے کہ آپ کی پرورش شاہ مصر (فرعون) کے محل میں ہوئی۔ جب آپ بڑے ہوئے تو آپ کو اپنی قوم (بنی اسرائیل) کا حال معلوم ہوا۔ غالباً ۲۵ سال کی عمر تھی۔ ایک روز آپ شہر میں نکلے تو آپ نے یہ منظر دیکھا کہ دو آدمی ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک قبطی تھا اور دوسرا اسرائیلی۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو اپنی قوم کا ایک فرد سمجھ کر اپنی مدد کے لیے پکارا۔ اس نے قبطی کو ظالم اور اپنے آپ کو مظلوم بتایا۔ حضرت موسیٰ نے اسرائیلی کی حمایت میں قبطی کو ایک گھونسہ مارا۔ آپ کا مقصد محض قبطی کا دفاع تھا، مگر گھونسہ ایسے مقام پر لگا کہ وہ قبطی مر گیا۔

قبطی نے اسرائیلی کو قتل نہیں کیا تھا، اس لیے اس کو قتل کرنا انصاف کے خلاف تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو فوراً اپنی لغزش کا احساس ہوا۔ آپ نے کہا کہ یہ تو ایک شیطانی کام ہو گیا۔ شیطان انسان کو بہکا کر غلط کام کرواتا ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی نادانستہ غلطی پر معاف کر دیا۔ (القصص ۱۵-۱۶)

اس وقت آپ نے جو دعا کی اس میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ بھی نکلے:

رب بما انعمت علیّ فلن اکون ظهیرا للمجرمین (القصص)

اے میرے رب، جیسا تو نے مجھ پر فضل فرمایا تو اب کبھی میں مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔

چنانچہ اگلے دن جب حضرت موسیٰ دوبارہ شہر کی طرف نکلے تو آپ نے دیکھا کہ وہی اسرائیلی دوبارہ ایک اور قبطی سے لڑ رہا ہے۔ اس نے دوبارہ آپ کو مدد کے لیے پکارا۔ مگر اس کی بار بار کی لڑائی سے آپ نے یہ سمجھا کہ یہ شخص خود ہی غلط کار ہے اور وہ غیر ضروری طور پر دوسروں سے لڑتا رہتا ہے۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ تم خود ایک کھلے ہوئے شریر آدمی ہو۔ یہ اسرائیلی اگرچہ آپ کی اپنی قوم کا آدمی تھا، مگر آپ نے دوبارہ اس کی مدد نہیں کی۔ جب آپ نے اس کی مدد نہیں کی تو اس اسرائیلی نے کل کے دن کا راز کھول دیا جو ابھی تک چھپا ہوا تھا۔ اس نے شور کر دیا کہ وہ موسیٰ ہی ہیں جنھوں نے کل کے دن اسی مقام پر ایک قبطی کو گھونسا مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اسرائیلی کے اس فعل نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک کمینہ شخص ہے۔ کیوں کہ ایک کمینہ شخص ہی ایسا کر سکتا ہے کہ ایک ذاتی اختلاف پیش آنے کی بنا پر کسی کے نازک راز کو عوام کے سامنے کھولنے لگے۔

جب قتل کا راز کھل گیا تو مصر کے حکمراں گروہ نے آپ کو پکڑنا چاہا تاکہ آپ سے قبطی کے قتل کا انتقام لے۔ مگر آپ خاموشی کے ساتھ ممفس سے نکل کر مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ (القصص)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ جو قرآن میں نقل کیا گیا ہے، اس میں ہندستان کے موجودہ فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں نہایت اہم رہنمائی ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنانہ طریقہ یہ ہے کہ آدمی مجرم کا مددگار نہ بنے۔

ہندستان کے موجودہ حالات یہ ہیں کہ مسلمان یہاں اقلیت میں ہیں۔ وہ مختلف پہلوؤں سے اکثریتی فرقہ کے مقابلہ میں دبے ہوئے ہیں۔ اس بنا پر اکثر مسلم رہنما یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہاں کے فرقہ وارانہ جھگڑوں میں کبھی مسلمانوں کا قصور نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ کمزور فریق ہونے کی بنا پر وہ فریق ثانی سے لڑ کر جیت نہیں سکتے۔ مگر یہ مفروضہ غلط ہے۔ قرآن کی شہادت کے مطابق بنی اسرائیل نسبتاً زیادہ مغلوب ہونے کے باوجود مصر میں "مجرم" بن گئے۔ پھر مسلمان اس سے کمتر درجہ کی مغلوبیت کے باوجود یہاں مجرم کیوں نہیں بن سکتے۔

خبرنامہ اسلامی مرکز - ۳۷

۱۔ رابطۃ الجامعات الاسلامیہ (ریاض) نے حال میں صدر اسلامی مرکز کی دو کتابوں (حقیقت حج اور مارکسزم) کا عربی ترجمہ شائع کیا ہے۔ ان کتابوں کے عربی نام یہ ہیں (۱) حقیقۃ الحج (۲) سقوط الماركسية۔ پہلی کتاب بڑے سائز کے ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور دوسری کتاب ۱۷۲ صفحات پر۔

۲۔ نئی دہلی (پیشوا روڈ) پر ۱۴ نومبر ۱۹۸۷ کو ایک اجتماع ہوا۔ اس میں جدید تعلیم یافتہ مسلمان شریک ہوئے۔ صدر اسلامی مرکز نے "جدید دعوتی امکانات" کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ صدر اسلامی مرکز نے بتایا کہ جدید سائنسی اور صنعتی ترقیاں اسلامی انقلاب کی ضمنی پیداوار ہیں۔ اس انقلاب سے جہاں مادی ترقیاں ظہور میں آئیں اسی طرح نہایت دور رس نوعیت کے نئے دعوتی امکانات پیدا ہوئے۔

۳۔ قرآن ہندی سوسائٹی آف انڈیا کے زیر اہتمام بھوپال میں ایک سہ روزہ اجتماع ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس اجتماع میں شرکت کی اور ۲۹ نومبر ۱۹۸۷ کی نشست میں "قرآن کا عالمی پیغام" کے عنوان پر مفصل تقریر کی۔

۴۔ سید قاسم صاحب (بڑودہ) نے اپنے خط مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۷ میں اطلاع دی ہے کہ وہ الرسالہ کے بعض مضامین گجراتی زبان میں ترجمہ کر کے لوگوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انھیں اجازت دے دی گئی ہے۔

۵۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۱۵-۱۷ جنوری ۱۹۸۶ کو ایک کانفرنس ہوئی تھی اس کا موضوع تھا "سائنس ایجوکیشن ان دی کنٹری"۔ اس موقع پر مختلف اہل علم نے اپنے مقالات پیش کیے تھے۔ ان مقالات کا مجموعہ یونیورسٹی کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ اس میں صدر اسلامی مرکز کا سات صفحات کا وہ مقالہ بھی شامل ہے جو موصوف نے اس موقع کے لیے لکھا تھا۔ اس مقالہ کا عنوان ہے:

Muslims and the Science Education

۶۔ اسلامی مرکز اور ایک عالمی عیسائی ادارہ کے تعاون کے تحت مسٹر عرفان انیس نے یورپ

کے مختلف ملکوں کا سفر کیا۔ اولاً انھوں نے پرتگال (لزبن) میں ہونے والی آل مذاہب کانفرنس میں شرکت کی۔ اس میں تمام مذاہب کے نوجوان لوگ شریک ہوئے تھے۔ مسٹر عرفان انیس اپنے ساتھ الرسالہ انگریزی اور اسلامی مرکز کی انگریزی کتابیں لے گیے تھے۔ ان کو انھوں نے وہاں کے شرکاء کو دیا۔ کانفرنس کے پروجکٹ ڈائرکٹر مسٹر گوری ینگ (Gary Young) اور سرپرست جارج ایمری (George Emery) کو بھی الرسالہ انگریزی کی کاپیاں دیں۔ نائجیریا کی ایک مسلم خاتون (فوزیہ کرومی) جو خود بھی ایک انگریزی رسالہ کی ایڈیٹر ہیں۔ انھوں نے الرسالہ کو پسند کرتے ہوئے اس کے مضامین کو اپنے رسالہ میں نقل کرنے کی اجازت حاصل کی۔ جاپانی نومسلم یوسف فوکوئی کو بھی کتابیں دیں۔ مسٹر انیس کانفرنس کے بعد میڈرڈ، لندن، پیرس، ہیم برگ (جرمنی) وغیرہ گیے۔ ہر جگہ انھوں نے مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کر کے اسلامی مرکز کا تعارف کرایا اور انگریزی کتابیں اور الرسالہ (انگریزی) انھیں دیا۔

۷۔ عربی زبان میں اسلامی مرکز کی تقریباً ۲۰ کتابوں کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ عرب علماء عام طور پر اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے جدید اسلوب کی بنا پر عرب نوجوانوں کو ان کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور عرب عالم دکتور یوسف القرضاوی نے اپنی عربی کتاب ثقافة الداعية میں چار عنوانات کے تحت کچھ قابل مطالعہ منتخب کتابوں کی فہرست دی ہے۔ اس میں انھوں نے پہلے عنوان (فی مجال العقیدۃ والاسس الفکریۃ) کے تحت صدر اسلامی مرکز کی کتاب الاسلام یتحدیٰ کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیا ہے (صفحہ ۹۹)

۸۔ کویت کے ہفتہ وار عربی جریدہ البلاغ (۱۵ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۸۷) نے صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو اس عنوان کے ساتھ شائع کیا ہے: لقاء مع المفکر الاسلامی وحید الدّین خان۔ انٹرویو لینے والے ایک فلسطینی عالم ہیں جن کا نام محمد یاسر القضمانی ہے۔

۹۔ برابر اطلاعات مل رہی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قارئین الرسالہ میں ایک رجحان

یہ پیدا ہوا ہے کہ مرکز کی مطبوعات لوگوں کو تحفہ میں دیں۔ مثلاً دہلی کے ایک صاحب نے حال میں اپنی لڑکی کی شادی کی تو لڑکی کو تحفہ میں "خاتون اسلام" دی اور داماد کو تحفہ میں "پرافٹ آف ریولیوشن" عطا کیا۔

۱۰۔ الرسالہ خدا کے فضل سے حیرت انگیز طور پر لوگوں کے درمیان نفوذ کر رہا ہے۔ اس کی مثالیں روزانہ مختلف صورتوں میں سامنے آتی رہتی ہیں۔ ایک خاتون لکھتی ہیں: آپ کا الرسالہ بغور پڑھتی ہوں، بار بار پڑھتی ہوں۔ پھر بھی دل کی تشنگی باقی رہتی ہے۔ اب تک میں رسالہ دوسروں سے مانگ کر پڑھ رہی تھی۔ اب میں چاہتی ہوں کہ جو رسالہ میں بار بار پڑھنا چاہتی ہوں اور جس سے ہر بار ایک نیا نقطۂ نظر میرے سامنے آتا ہے اور عقل حیران رہ جاتی ہے کہ آپ کے لکھنے کا انداز کیسا نرالا اور اچھوتا ہے۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے مجھے الرسالہ کا ممبر بنا لیجئے۔ میں یہ رسالہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں چاہتی ہوں اور اس کے لیے ڈرافٹ بھیج رہی ہوں (مسز خورشید عباس، پونہ)

۱۱۔ دلشاد گارڈن (دہلی ۳۲) میں ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ کو سیرۃ النبی کا ایک جلسہ ہوا۔ اس میں تعلیم یافتہ مسلمان اور ہندو شریک ہوئے۔ صدر اسلامی مرکز نے اس موقع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ تقریر کا موضوع تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں انسانی کامیابی کا راز۔ منتظمین نے اس موقع پر الرسالہ انگریزی اکتوبر ۱۹۸۷ صفحہ ۱۰ کے مضمون کی فوٹو کاپیاں تیار کر کے لوگوں کے درمیان تقسیم کیا۔ ایک صاحب نے کہا کہ الرسالہ نے ہمارے کام کو بہت آسان کر دیا۔ کیوں کہ ہم ایک صفحہ کا کوئی بامعنی انگریزی مضمون شائع کر کے تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ ایسا مضمون ہم کو کہیں اور سے نہیں مل سکتا تھا۔ وہ ہم کو انگریزی الرسالہ میں بآسانی مل گیا۔

۱۲۔ مالدیپ میں ۷-۱۱ دسمبر ۱۹۸۷ کو ایک انٹرنیشنل اسلامک کانفرنس ہوئی۔ صدر اسلامی مرکز نے کانفرنس کی دعوت پر اس میں شرکت کی۔ اس سفر کی مفصل روداد انشاء اللہ الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

۱۳۔ الرسالہ کی یہ انوکھی صفت ہے کہ جو شخص اس کو ایک بار دیکھ لیتا ہے وہ اس کا گرویدہ

ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ الرسالہ کا مخالف بھی اس کو پڑھے بغیر نہیں رہتا۔ اس کی مثالیں مختلف صورتوں میں بار بار سامنے آتی رہتی ہیں۔ جناب عبدالحمید عمر بھائی اپنے خط (۲۵ نومبر ۱۹۸۷) میں لکھتے ہیں: بہت سے رسالے نکلتے ہیں اور ان کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ مگر اسلامی مرکز کا الرسالہ ابتک نظر سے نہیں گزرا تھا اور ہمارے بھاونگر (گجرات) میں شاید کوئی اس کو جانتا بھی نہیں۔ حسن اتفاق سے احمد آباد کے ایک صاحب کے پاس الرسالہ دستیاب ہوگیا اور مطالعہ کیا اور اپنے مدرسہ کے صدر مدرس مولانا امانت اللہ قاسمی کو دیا۔ مطالعہ کے بعد ہم دونوں کو الرسالہ کی کشش نے بیتاب کردیا اور الرسالہ منگوانے کا داعیہ پیدا ہوا۔ الرسالہ اور تذکیر القرآن کے لیے دو منی آرڈر روانہ ہے۔

۱۴۔ ایک صاحب لکھتے ہیں: میرے اندر غصہ پن اور کسی بھی بات کو اپنے مزاج کے خلاف پلنے کے بعد بالکل آپے سے باہر ہوجانے کا مزاج تھا۔ لیکن آپ کی کتابیں پڑھنے کے بعد میرے اندر زبردست تبدیلی آئی جس کو گھر والے اور احباب بھی محسوس کرتے ہیں۔ میرے والد جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کی کتابوں کے بڑے مداح ہیں اور بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ابھی میں "اللہ اکبر" لے کر بیٹھا ہوں۔ رہ رہ کر آپ کا تصور ذہن میں آرہا تھا۔ کتاب کا ہر صفحہ پڑھنے کے بعد آپ کے لیے ایک دعا ضرور کرتا ہوں۔ اسی طرح نمازوں کے بعد دعا میں بھی آپ کے لیے دعائے خیر ضرور کرتا ہوں۔ یہاں کچھ لوگوں سے میرا کبھی کبھی الجھاؤ ہوجاتا ہے۔ اور موضوع بحث آپ کی تصانیف ہوا کرتی ہیں۔ جب تک وہ اپنی باتوں کو دلیل سے پیش کرتے ہیں میں بھی دلیل سے ان کی تردید کرتا ہوں۔ مگر جب وہ بغیر دلیل بحث کرتے ہیں تو میں خاموش ہوجاتا ہوں، کیوں کہ آپ کی کتابوں میں میں نے یہی پڑھا ہے۔ بہرحال حقیقت اپنا لوہا منوالیتی ہے۔ اب وہ بھی نرم پڑرہے ہیں۔ نومبر کے شمارہ میں "آزمودہ حل" پڑھ کر کئی نے تو کھل کر تائید کی اور کہا کہ اب تو الرسالہ کے نظریات سے اتفاق کرنا پڑے گا (قاری مختار احمد علی۔ مالیگاؤں)

۱۵۔ تذکیر القرآن جلد دوم اور گاڈ ارائزز (انگریزی) چھپ کر دفتر میں آگئی ہیں۔ طالب حضرات فرمائش بھیج کر منگا سکتے ہیں۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کار نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور صاحب ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحب استطاعت افراد کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کردیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

زر تعاون الرسالہ

زر تعاون سالانہ	۴۸ روپیہ
خصوصی تعاون سالانہ	۲۵۰ روپیہ

بیرونی ممالک سے

ہوائی ڈاک	۲۰ ڈالر امریکی
بحری ڈاک	۱۰ ڈالر امریکی

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی-۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

AL-RISALA

Annual Subscription Rates:

	One year	Two year
INLAND	Rs. 48	Rs. 90
ABROAD (By air mail)	US $ 25	US $ 50
(By surface mail)	US $ 10	US $ 20

SUBSCRIPTION FORM

Please send me AL-RISALA

☐ Urdu ☐ English for ☐ 1 year ☐ 2 years

Name .....

Address .....

.....

GIFT SUBSCRIPTION

Please send AL-RISALA to my friend/relative to the following address:

☐ Urdu ☐ English for ☐ 1 year ☐ 2 years I am enclosing cheque Postal Order/Bank Draft/M.O. Receipt No. .....

Name .....

Address .....

.....

Please send this together with the payment to the Circulation Manager
AL-RISALA C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110 013 (India)

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحیدالدین خاں کے قلم سے

	Rs
تذکیرالقرآن جلد اول	100/-
" " جلد دوم	100/-
اللہ اکبر	40/-
پیغمبر انقلاب	30/-
مذہب اور جدید چیلنج	30/-
عظمتِ قرآن	25/-
الاسلام	25/-
ظہورِ اسلام	25/-
اسلامی زندگی	20/-
احیاءِ اسلام	20/-
رازِ حیات (مجلد)	45/-
صراطِ مستقیم	25/-
خاتونِ اسلام	30/-
سوشلزم اور اسلام	25/-
اسلام اور عصرِ حاضر	20/-
حقیقتِ حج	25/-
اسلامی تعلیمات	20/-
تبلیغی تحریک	15/-
تعبیر کی غلطی	35/-
دین کی سیاسی تعبیر	10/-

دین کیا ہے	3/-
قرآن کا مطلوب انسان	6/-
تجدیدِ دین	4/-
اسلام دینِ فطرت	4/-
تعمیرِ ملت	4/-
تاریخ کا سبق	4/-
مذہب اور سائنس	4/-
عقلیاتِ اسلام	4/-
فسادات کا مسئلہ	3/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	3/-
تعارفِ اسلام	4/-
اسلام پندرھویں صدی میں	4/-
راہیں بند نہیں	4/-
ایمانی طاقت	4/-
اتحادِ ملت	4/-
سبق آموز واقعات	4/-
زلزلۂ قیامت	4/-
حقیقت کی تلاش	4/-
پیغمبرِ اسلام	4/-
آخری سفر	4/-

اسلامی دعوت	4/-
خدا اور انسان	4/-
حل یہاں ہے	6/-
سچا راستہ	2/-
دینی تعلیم	4/-
حیاتِ طیبہ	4/-
باغِ جنت	4/-
نارِ جہنم	4/-

God Arises	Rs. 45/-
Muhammad The Prophet of Revolution	50/-
Religion and Science	35/-
Tabligh Movement	20/-
The Way to Find God	4/-
The Teachings of Islam	5/-
The Good Life	5/-
The Garden of Paradise	5/-
The Fire of Hell	5/-
Muhammad The Ideal Character	4/-
Man Know Thyself !	4/-
इन्सान अपने आपको पहचान	2/-
सच्चाई की तलाश	4/-

مکتبہ الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ ، نئی دہلی ۱۳